شمارہ نمبر ۲۶

معرکہ حق و باطل

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

عقیدہ نمبر ① :

سیدنا ابو ضراس کعب بن مالک الاسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

كنت أبيت مع رسول الله صلّى الله عليه وسلّم ، فأتيته بوضوئه وحاجته ، فقال لي : ((سل)) ، فقلت : أسألك مرافقتك في الجنّة ، قال : ((أو غير ذلك ؟)) ، قلت : هو ذاك ، قال : ((فأعنّي على نفسك بكثرة السجود))

''میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رات گزارتا تھا۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے لیے پانی اور ضرورت کی چیزیں لایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مانگ، میں نے عرض کیا: میں تو جنت میں آپ کی رفاقت مانگتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے علاوہ کچھ؟ میں نے عرض کیا: بس یہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو اپنے نفس پر زیادہ سجدوں کے ساتھ میری مدد کر۔''

مفہوم : سیدنا ربیعہ بن کعب الاسلمی رضی اللہ عنہ کا تعلق اصحابِ صفہ سے تھا، یعنی وہ فقیر مہاجرین جن کا اپنا ذاتی گھر نہیں تھا۔ وہ مسجد میں ہی گزر بسر کرتے تھے۔ یہ صحابی نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے۔ ایک دفعہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خدمت کے عوض میں کچھ دینا چاہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اپنی ضرورت بیان کریں، مجھ سے کچھ مانگیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال میں یہ تھا کہ یہ کوئی دنیا کی چیز مانگیں گے، لیکن صحابیِ رسول بلند ہمتی ملاحظہ فرمائیں کہ انہوں نے دنیا کی بجائے آخرت اور جنت کو ترجیح دی اور کہہ دیا کہ میں آپ سے جنت میں رفاقت کا سوال کرتا ہوں۔ جس طرح دنیا میں آپ کا ساتھ نصیب ہوا ہے، اسی طرح آخرت میں بھی ساتھ نصیب ہو جائے۔

یعنی سیدنا ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ نے نبیِ اکرم ﷺ سے سفارش کا مطالبہ کیا تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے میرے حق میں سفارش کردیں کہ وہ مجھے دوزخ سے بچا کر جنت میں آپ کی رفاقت نصیب فرمادے۔جیسا کہ ایک دوسری روایت میں ہے:

كنت أخدم النبىّ صلى اللّٰه عليه وسلّم وأقوم فى حوائجه نهارى أجمع ، حتّى يصلّى رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم العشاء الآخرة ، فأجلس ببابه إذا دخل بيته ، أقول : لعلّها أن تحدث لرسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم حاجة ، فما أزال أسمعه ، يقول رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم : سبحان اللّٰه ، سبحان اللّٰه ، سبحان اللّٰه وبحمده ، حتّى أملّ ، فأرجع أو تغلبنى عينى ، فأرقد ، قال : فقال لى يوما لما يرى من خفتى له وخدمتى إيّاه : ((سلنى يا ربيعة ! أعطك)) ، قال : فقلت : أنظر فى أمرى يا رسول اللّٰه ، ثمّ أعلمك ذلك ، قال : ففكّرت فى نفسى ، فعرفت أنّ الدنيا منقطعة زائلة ، وإنّ لى فيها رزقا ، سيكفينى ويأتينى ، قال : فقلت : أسأل رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم لآخرتى ، فإنّه من اللّٰه عزّ وجلّ بالمنزل الذى هو به ، قال : فجئت ، فقال : ((ما فعلت يا ربيعة ؟)) ، قال : فقلت : نعم يا رسول اللّٰه ! أسألك أن تشفع لى إلى ربّك ، فيعتقنى من النار ، قال : فقال : ((من أمرك بهذا يا ربيعة !)) ، قال : فقلت : لا واللّٰه الذى بعثك بالحقّ ، ما أمرنى به أحد ، ولكنّك لمّا قلت : ((سلنى أعطك)) ، وكنت من اللّٰه بالمنزل الذى أنت به ، نظرت فى أمرى وعرفت أنّ الدنيا منقطعة وزائلة ، وأنّ لى فيها رزقا سيأتينى ، فقلت : أسأل رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم لآخرتى ، قال : فصمت رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم طويلا ، ثمّ قال لى : ((إنّى فاعل ، فأعنّى على نفسك بكثرة السجود)) ”میں نبیِ اکرم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا اور سارا دِن

آپ ﷺ کی ضروریات کا اہتمام کرتا تھا، حتی کہ آپ ﷺ عشاء کی نماز پڑھ لیتے۔ پھر جب آپ ﷺ گھر میں داخل ہو جاتے تو میں آپ ﷺ کے گھر کے دروازے پر بیٹھ جاتا یہ سوچتے ہوئے کہ شاید آپ ﷺ کو کوئی ضرورت پڑ جائے۔ میں آپ ﷺ کو مسلسل سبحان اللہ سبحان اللہ سبحان اللہ وبحمدہٖ کہتے ہوئے سنتا یہاں تک کہ میں تھک کر لوٹ جاتا یا میری آنکھ لگ جاتی اور میں سو جاتا۔ ایک دن آپ ﷺ نے میری خدمت وتواضع دیکھ کر فرمایا: اے ربیعہ! مانگو کہ میں تجھے دوں۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں اپنے معاملے میں غور وفکر کروں گا، پھر آپ کو بتاؤں گا۔ میں نے غور وفکر کیا تو معلوم ہوا کہ دنیا ختم ہونے والی اور فانی ہے اور اس میں میرے لیے اتنا رزق ہے جو مجھے مل جائے گا اور کفایت کر جائے گا۔ میں نے سوچا کہ اللہ کے رسول ﷺ سے اپنی آخرت کے لیے کچھ مانگتا ہوں۔ آپ ﷺ کی اللہ کے ہاں بڑی قدر ومنزلت ہے۔ میں آیا تو آپ ﷺ نے پوچھا: اے ربیعہ! تو نے کیا کیا ہے؟ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ آپ اپنے ربّ سے میری سفارش کریں کہ وہ مجھے جہنم سے بچا لے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ربیعہ! تجھے ایسا حکم کس نے دیا ہے؟ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! قسم ہے کہ مجھے ایسا کسی نے نہیں کہا، بلکہ جب آپ نے مجھے فرمایا کہ مانگ، میں تجھے دوں۔ آپ کا مقام بھی اللہ کے ہاں بڑا بلند تھا تو میں نے اپنے معاملے میں غور وفکر کیا۔ میں نے دیکھا کہ دنیا عارضی اور فانی ہے، لہٰذا مجھے اللہ کے رسول سے اپنی آخرت کے لیے کچھ مانگنا چاہیے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ کافی دیر خاموش رہے، پھر فرمایا: میں ایسا کروں گا، لیکن آپ بھی اپنی طرف سے زیادہ سجدے کر کے میری مدد کریں۔''

(مسند الامام احمد: ٤/٥٩، وسندہٗ حسنٌ)

اس حدیث کے متعلق علمائے کرام کی تصریحات ملاحظہ فرمائیں:

(ا) علامہ سندھی حنفی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مرافقتک، بالنصب، بتقدیر أسألک مرافقتک، ((أوغیر

ذلـــــــک)) يحتمل فتح الواو ، أى أتسأل ذلک وغيره ، أم تسأله وحده ، وسكـونهـا ، أى اسأل ذلک أم غيره ، ((هو ذلک)) أى المسئول ذلک لا غيـر ، ((فـأعـنّـى عـلـى نفسک)) ، أى على تحصيل حاجة نفسک التى هى الـمـرافـقة ، والـمـراد تـعظيم تلک الحاجة ، وأنّها تحتاج إلى معاونة منک ، ومجرد السؤال منّى لا يكفى فيها ، أو المعنى فوافقنى بكثرة السجود قاهرا بها عـلى نفسک ، وقيل : أعنّى على قهر نفسک بكثرة السجود ، كأنّه أشار إلى أنّ مـا ذكـرت لا يـحصل إلّا بقهر نفسک التى هى أعدى عدوّک ، فلا بد لى مـن قهـر نـفسک بصرفها عن الشهوات ، ولا بدّ لک أن تعاوننى فيه ، وقيل : مـعـنـاه : كن لى عونا فى إصلاح نفسک وجعلها طاهرة مستحقّة لما تطلب ، فـإنّـى أطـلـب إصـلاح نـفسک مـن اللّٰه تعالى ، وأطلب منک أيضا إصلاحها بـكـثـــرة السـجـود لـلّٰـه ، فـإنّ السـجـود كاسر للنفس ومذلّ لها ، وأىّ نفس انكسرت وذلّت استحقّت الرحمة ، واللّٰه تعالى أعلم .

" مـرافقتک منصوب ہے،تقدیری عبارت یہ ہے کہ أسـألک مـرافـقتک (میں آپ سے آپ کی رفاقت کا سوال کرتا ہوں)۔ أو غيـر ذلک میں کئی احتمال ہیں۔واؤ پر فتح پڑھیں تو مراد یہ ہے کہ آپ اس کے ساتھ کسی اور چیز کا بھی مطالبہ کرنا چاہتے ہیں یا بس اسی کا؟ واؤ کے سکون کے ساتھ معنیٰ یہ ہوگا کہ یہ مانگ لیں یا کچھ اور مانگ لیں۔ هـو ذلک سے مراد یہ ہے کہ بس یہی مطالبہ ہے، کچھ اور نہیں۔ فـأعـنّى على نفسک سے مراد یہ ہے کہ اپنے نفس کے مطالبے، یعنی میری رفاقت کو حاصل کرنے کے لیے میری مدد کرو۔مقصود اس مطالبے کی عظمت بیان کرنا تھا، نیز یہ کہ ایسا مطالبہ آپ کی طرف سے تعاون کا محتاج ہے،صرف میرا اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا کافی نہ ہوگا یا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنے نفس پر جبر کر کے میری بات مانیں۔ایک قول یہ ہے کہ زیادہ سجدے کر کے اپنے نفس پر جبر کے ذریعے میری مدد کریں گویا

آپ نے اشارہ کیا ہے کہ جو مطالبہ آپ نے کیا ہے، وہ صرف اپنے سب بڑے دشمن نفس کو قابو کرنے سے حاصل ہوگا۔ چنانچہ میرے لیے ضروری ہے کہ آپ اپنے نفس کو شہوات سے دُور رکھیں اور میرا تعاون کریں۔ایک قول یہ بھی ہے کہ اپنے نفس کی اصلاح اور اسے اپنے مطالبے کے حصول کے قابل بنانے کے سلسلے میں میرے معاون بن جائیں۔ میں اللہ تعالیٰ سے بھی آپ کے نفس کی اصلاح چاہتا ہوں اور آپ کی اپنی طرف سے بھی زیادہ سجدوں کے ذریعے نفس کی اصلاح چاہتا ہوں۔سجدہ نفس کو دبانے والا اور کنٹرول کرنے والا ہے اور جو نفس عاجزی اختیار کرلے اور مطیع ہو جائے، وہ رحمت کی مستحق بن جاتی ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم!''

(حاشية السندی علی النسائی : ٣٢٨/٢، تحت حديث : ١١٣٩)

(ب) علامہ عبدالرؤف المناوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **وفيه أنّ مرافقة المصطفى صلّى اللّٰه عليه وسلّم فی الجنّة من الدرجات العالية التی لا مطمع فی الوصول إليها إلّا بحضور الزلفی عند اللّٰه فی الدنيا بكثرة السجود ، انظر أيّها المتأمّل فی هذه الشريطة وارتباط القرينتين لتقف علی سرّ دقيق ، فإنّ من أراد مرافقة الرسول صلّى اللّٰه عليه وسلّم لا يناله إلّا بالقرب من اللّٰه ، ومن رام قرب اللّٰه لم ينله إلّا بقرب حبيبه .** ''اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں رسول اللہ ﷺ کی رفاقت ان بلند درجات میں سے ایک درجہ ہے جن کو پانا کثرتِ سجدہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیے بغیر ممکن ہی نہیں۔اے غور و فکر کرنے والے! اس شرط اور دونوں قرینوں کے ربط کو دیکھ کہ تو پیچیدہ راز سے واقف ہو جائے۔ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی رفاقت چاہتا ہے، وہ اسے اللہ کے قرب کے بغیر نہیں پا سکتا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا چاہے، وہ اس کے حبیب ﷺ کے قرب کے بغیر اسے نہیں پا سکتا۔''

(فيض القدير للمناوی : ٤٤٠/٤، ح : ٥٥٠٢)

جب سیدنا ربیعہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے جنت میں رفاقت کے حوالے سے سفارش چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ سفارش میں کر دیتا ہوں، اخلاص و عملِ صالح کے ساتھ ربّ تعالیٰ کا

قرب آپ حاصل کرلیں تو بات بن جائے گی۔

مفہوم باطل : جناب احمد رضا خان بریلوی صاحب اس حدیث پر ''دنیا وآخرت کی تمام نعمتیں حضور کے اختیار میں ہیں، جسے جو چاہیں عطا کریں'' کا عنوان قائم کرکے لکھتے ہیں: ''الحمد للہ یہ جلیل ونفیس حدیث صحیح اپنے ہر ہر جملے سے وہابیت کُش ہے۔ حضورِ اقدس خلیفہ اللہ الاعظم ﷺ کا مطلقاً، بلا قید وبلا تخصیص ارشاد فرمانا '' سل '' مانگ، کیا مانگتا ہے، جانِ وہابیت پر کیسا پہاڑ ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضور ہر قسم کی حاجت روائی فرماسکتے ہیں۔ دنیا وآخرت کی سب مرادیں حضور کے اختیار میں ہیں۔ جب تو بلا تقیید ارشاد ہوا، مانگ کیا مانگتا ہے، یعنی جو جی میں آئے مانگو کہ ہماری سرکار میں سب کچھ ہے۔''

(الامن والعلی از احمد رضا : ص ۱۳۱۔۱۳۲)

قارئین کرام! آپ حدیث کا بغور مطالعہ کریں اور جناب احمد رضا خان بریلوی صاحب نے جو غلو کی حدیں توڑی ہیں، وہ بھی ملاحظہ فرمائیں، پھر بتائیں کہ حدیث سے کیا ثابت ہو رہا ہے اور جناب بریلوی کیا فرما رہے ہیں؟ فیصلہ آپ نے کرنا ہے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے؟

عقیدہ نمبر ② :

① سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: **إنّ أبـا طـالـب مـرض ، فعـاده النبی صلّی اللّٰه علیه وسلّم ، فقال له : یا ابن أخی ! اد ع إلٰهک الـذی تـعبـد أن یـعافینی ، فقال : ((اللّٰهم اشف عمّی)) ، فقام أبو طالب کأنّما نشـط مـن عقال ، فقال له : یا ابن أخی ! إنّ إلٰهک الذی تعبد لیطیعک ، قال : ((وأنـت یـا عمّاه ! لئن أطعت اللّٰه لیطیعنّک))** ''ابوطالب بیمار ہوئے تو نبیِ اکرم ﷺ نے ان کی تیمارداری کی۔ انہوں نے (نبیِ اکرم ﷺ سے) کہا: بھتیجے! اپنے اس الٰہ سے دعا کر جس کی تو عبادت کرتا ہے کہ وہ مجھے عافیت دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! میرے چچا کو شفا عطا فرما۔ فوراً ابوطالب کھڑے ہو گئے گویا کہ ان کو رسی کھول کر اس سے آزاد

کر دیا گیا ہو۔ انہوں نے آپ ﷺ سے کہا: جس الہ کی تو عبادت کرتا ہے، وہ تیری بات مانتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے چچا جان! اگر آپ بھی اس اللہ کی اطاعت کریں گے تو وہ آپ کی بات مانے گا۔" (المعجم الاوسط للطبرانی: ۳۹۷۳، فضائل الصحابة لاحمد بن حنبل: ۱۱۵۲، الکامل لابن عدی: ۱۰۲/۷، وفی نسخة: ۲۵۶۱/۷، المستدرك للحاکم: ۵۴۲/۱، دلائل النبوة للبیھقی: ۱۸٤/٦)

تبصرہ: یہ روایت بالاتفاق "ضعیف" ہے، کیونکہ اس کا ایک راوی ہیثم بن جماز البکاء بااتفاقِ محدثین "ضعیف" ہے۔ اس کے بارے میں:

① امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **ضعیف .** "یہ ضعیف راوی ہے۔" (تاریخ یحیی بن معین بروایة العباس الدوری: ۳٤۰۱)

② امام ابوحاتم الرازی رحمہ اللہ کہتے ہیں: **ضعیف الحدیث منکر الحدیث .** "اس کی حدیث ضعیف اور منکر ہوتی ہے۔" (الجرح والتعدیل: ۸۱/۹)

③ امام ابوزرعہ رحمہ اللہ بھی "ضعیف" قرار دیتے ہیں۔

④ جوزجانی کہتے ہیں: **کان قاصّا ضعیفا ، روی عن ثابت معاضیل .** "ضعیف قصہ گو راوی تھا۔ اس نے ثابت سے معضل (سخت منقطع) روایات بیان کی ہیں۔" (احوال الرجال للجوزجانی: ص ۱۲۰)

⑤ امام نسائی رحمہ اللہ نے "متروک الحدیث" کہا ہے۔ (الضعفاء للنسائی: ص ۲٤۵)

⑥ امام عقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **حدیثه غیر محفوظ .**
"اس کی حدیث محفوظ نہیں ہوتی۔" (الضعفاء الکبیر للعقیلی: ۳۵۵/٤)

⑦ امام ابنِ عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **وللهیثم غیر ما ذکرت ، وأحادیثه أفراد غرائب عن ثابت ، وفیها ما لیس محفوظ .**
"ہیثم کی مذکورہ روایات کے علاوہ بھی روایات ہیں۔ ثابت سے اس کی احادیث منکر

اورغریب ہوتی ہیں اوران میں غیر محفوظ احادیث بھی موجود ہیں۔'' (الکامل لابن عدی : ۱۰۳/۷)

اس کے علاوہ اس راوی پر بہت سی سخت جروح ثابت ہیں۔اس کے حق میں ادنیٰ کلمہ توثیق بھی ثابت نہیں۔

جناب احمد رضا خان بریلوی اس حدیث کے شروع میں اپنا عقیدہ یوں بیان کرتے ہیں:

''حضور کا ربّ حضور کی اطاعت کرتا ہے۔مسلمانو! ذرا دیکھنا کوئی وہابی ناپاک ادھر اُدھر ہو تو اُسے باہر کر دو اور کوئی جھوٹا متصوف نصاریٰ کی طرح غلو وافراط والا دبا چھپا ہو تو اُسے بھی دُور کرو اور تم عبدہٗ ورسولہٗ کی سچی معیار کانٹے کی تول مستقیم ہو کر یہ حدیث سنو۔''

(الامن والعلی از احمد رضا خان : ص ۱۲۵)

کیا اس طرح کی سخت ترین ''ضعیف'' حدیث، جس کا راوی بالاتفاق ''ضعیف'' ہو، سے ایسا عقیدہ ثابت کرنا اہل حق کو زیبا ہے؟ فیصلہ کریں کہ حق کیا ہے؟ نیز اس حدیث میں ایک اور بھی علتِ قادحہ موجود ہے۔

②: دوسری دلیل یہ دی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب میں اپنے ربّ کو دیکھوں گا تو اُس کے لیے سجدۂ شکر میں گر جاؤں گا۔اس پر کہا جائے گا:

ارفع رأسک ، قل تطاع ، واشفع تشفّع .

اپنا سر اُٹھاؤ اور کہو، تمہاری اطاعت کی جائے گی اور شفاعت کرو کہ تمہاری شفاعت قبول ہوگی۔'' (مجمع الزوائد للهيثمی : ۳۷٦/۱۰)

تبصرہ: اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔اسحاق بن یحییٰ نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔

حافظ مزی رحمہ اللہ (تہذیب الکمال : ۲/ ۸۷)، حافظ ذہبی رحمہ اللہ (العلو : ص ۵۳)، حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ (فتح الباری: ۱۳/ ۴٦۸) فرماتے ہیں کہ کہ اسحاق بن یحییٰ نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ

کا زمانہ نہیں پایا۔ یہی بات امام دارقطنی رحمہ اللہ (سنن الدارقطنی : ۳/۱۷۶، ۴/۲۰۲) اور امام بیہقی رحمہ اللہ (السنن الکبری للبیہقی : ۸/۴۷) اور حافظ ہیثمی رحمہ اللہ (مجمع الزوائد : ۱۰/۳۷۶) نے بھی کہی ہے۔

جنابِ بریلوی صاحب کا اس حدیث سے یہ ثابت کرنا کہ:

''حضور کا رب حضور کی اطاعت کرتا ہے۔'' (الامن والعلی : ۱۲۵) صحیح نہ ہوا۔

③ : سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إنّ ربّی تبارک وتعالیٰ استشارنی فی أمّتی ، ما ذا أفعل بھم ؟ فقلت : یاربّ ! ھم خلقک وعبادک ، فاستشارنی الثانیة ، فقلت لہ کذالک .

''میری امت کے باب میں مجھ سے مشورہ طلب فرمایا کہ میں ان کے ساتھ کیا کروں؟ میں نے عرض کیا کہ اے ربّ میرے جو تو چاہے کر کہ وہ تیری مخلوق اور تیرے بندے ہیں۔ اس نے دوبارہ مجھ سے مشورہ پوچھا۔ میں نے اب بھی وہی عرض کی۔''

(مسند الامام احمد : ۵/۳۹۳)

تبصرہ : اس کی سند سخت ''ضعیف'' ہے، کیونکہ اس میں عبداللہ بن لہیعہ راوی جمہور کے نزدیک ''ضعیف''، مدلس اور مختلط ہے۔ اس کے بارے میں حافظ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **وھو ضعیف بالاتّفاق لاختلال ضبطہ .**

''حافظہ خراب ہونے کی وجہ سے یہ بالاتفاق ضعیف راوی ہے۔''

(خلاصة الاحکام للنووی : ۲/۶۲۵)

حافظ ابن العراقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **عبداللہ بن لھیعة ضعیف عند الأکثر .** ''عبداللہ بن لہیعہ جمہور کے نزدیک ضعیف راوی ہے۔''

(طرح التثریب لابن العراقی : ۶/۹۴)

حافظ سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **وھو ممّن ضعّفہ الأکثر .**

''یہ ان راویوں میں سے ہے، جن کو جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔''

(فتح المغیث للسخاوی : ۲۲۱)

حافظ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **وابن لهيعة ضعّفه الجمهور .**

''اور ابنِ لہیعہ کو جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔'' (مجمع الزوائد : ۳۷۵/۱۰، ۱۳/۷)

نیز فرماتے ہیں کہ یہ ''ضعیف'' راوی ہے۔(مجمع الزوائد : ۱۲۹/۱)

اسے حافظ ذہبی رحمہ اللہ (المغنی : ۵۶۱/۱)اور حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ (تغلیق التعلیق : ۲۳۹/۳) نے بھی ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔

حسن بن موسیٰ ان لوگوں میں سے نہیں، جنہوں نے اس سے اختلاط سے پہلے سنا ہے، لہٰذا یہ جرح مفسر ہے۔

اس روایت کے شروع کے الفاظ ہیں: **غاب عنّا رسول الله صلّى الله عليه وسلّم يوما ، فلم يخرج ، حتّى ظننّا أن لن يخرج .**

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے ایک دِن غائب ہوئے ۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف نہیں لائے حتی کہ ہمیں یہ گمان ہوا کہ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف نہیں لائیں گے۔''

ان الفاظ سے مسئلہ حاضر و ناضر کی نفی ہوتی ہے۔

فائدہ : عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إنّ ربّي استشارني في أمّتي . ''میرے ربّ نے میری امت کے بارے میں مجھ سے مشورہ کیا۔''(کتاب التوحید لابن خزیمۃ : ۶۴۰/۲، ح : ۳۸۴)

یہ روایت بھی بلحاظِ سند ''ضعیف'' ہے۔اس کا راوی حجاج بن رشدین مصری جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔امام ابوزرعہ الرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لا علم لي به ، لم أكتب عن أحد عنه . ''مجھے اس کے بارے کوئی علم نہیں۔میں نے کسی سے بھی اس کی روایت نہیں لی۔''(الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم : ۱۶۰/۳)

امام ابنِ عدی رحمہ اللہ نے اسے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔(الکامل لابن عدی : ۲۳۴/۲)

امام خلیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: هو أمثل منه (من أبيه) .
''یہ اپنے باپ سے عمدہ ہے۔'' (الارشاد للخلیلی : ۲۵۸/۱)

حافظ ہیثمی رحمہ اللہ کہتے ہیں: وهو ضعيف . ''اور یہ ضعیف راوی ہے۔'' (مجمع الزوائد : ۱۴۱/۲)

امام ابوعوانہ رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' میں ذکر کیا اور امام ابنِ حبان رحمہ اللہ نے الثقات (۹۵/۸) میں ذکر کیا ہے۔ اس کا ضعف ہی راجح ہے۔ واللہ اعلم!

قارئین کرام! یہ وہ روایات تھیں، جن کی بنا پر بعض لوگوں نے اپنے باطل عقائد کی بنیاد ڈالی۔ ان کے ''ضعیف'' ثابت ہو جانے کے بعد ان کے عقائد خود بخود ''ضعیف'' ہو گئے۔ اس کے باوجود احمد رضا خان بریلوی صاحب لکھتے ہیں:

''بحمد اللہ یہی معنیٰ ہیں اس حدیث کے کہ رب العزۃ روزِ قیامت حضرت رسالت علیہ افضل الصلاۃ والتحیۃ سے مجمع اوّلین وآخرین میں فرمائے گا کلّهم يطلبون رضائى وأنا أطلب رضائك يامحمّد ! یہ سب میری رضا چاہتے ہیں اور میں تیری رضا چاہتا ہوں۔ اے محمد! میں نے اپنا ملک عرش سے فرش تک سب تجھ پر قربان کر دیا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیک وعلی آلک وبارک وسلم۔ اے مسلمان، اے سنی بھائی! مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ ارفع کی خدائی آفتاب و ماہتاب پر ان کا حکم جاری ہونا کیا بات ہے، آفتاب طلوع نہیں کرتا جب تک ان کے نائب، ان کے وارث، ان کے فرزند، ان کے دل بند، غوث الثقلین، غیث الکونین، حضورِ پرنور، سیدنا ومولانا امام ابومحمد شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ پر سلام عرض نہ کر لے۔'' (الامن والعلی از بریلوی : ص ۱۲۷۔۱۲۸)

جناب بریلوی صاحب نے جہالت وضلالت اور غلو کی انتہا کری ہے۔

مسلمانو! امام حسن بصری رحمہ اللہ کی نصیحت سن لیں۔ آپ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وضع دين الله دون الغلوّ وفوق التقصير . ''اللہ تعالیٰ کا دین (اسلام) غلو سے نیچے اور تقصیر سے اوپر رکھا گیا ہے۔'' (الزهد لاحمد بن حنبل : ۱۶۴۳، وسندهٗ صحيحٌ)

عقیدہ نمبر ③ :

دلیل نمبر ① : سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: **إنّي لأستحيي من اللّٰه أن يكون ذنب أعظم من غفري ، أو جهل أعظم من حلمي ، أو عورة لا يواريها ستري ، أو خلّة لا يسدها جودي .**

''بے شک اللہ عزوجل سے شرم آتی ہے کہ کسی کا گناہ میری صفتِ مغفرت سے بڑھ جائے۔ وہ گناہ کرے اور میری مغفرت اس کی بخشش میں تنگی کرے کہ میں نہ بخش سکوں یا کسی کی جہالت میرے علم سے زائد ہو جائے کہ وہ جہل سے پیش آئے اور میں حلم سے کام نہ لے سکوں یا کسی عیب، کسی شرم کی بات کو میرا پردہ نہ چھپائے یا کسی حاجت مندی کو میرا کرم بند نہ فرمائے۔''

(تاريخ بغداد للخطيب : ١/٣٨١، تاريخ ابن عساكر : ٤٢/٥١٧)

تبصرہ : (ا) یہ روایت موضوع (جھوٹ کا پلندا) ہے۔ اس کا راوی ہیثم بن عدی بالاتفاق کذاب (پرلے درجے کا جھوٹا) اور ''متروک الحدیث'' اور ''مدلس'' ہے۔

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **ليس بثقة ، كان يكذب .**

''یہ ثقہ نہیں تھا۔ جھوٹ بولا کرتا تھا۔'' (تاريخ يحيى بن معين : ١٧٦٧)

امام عجلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **كذاب ، وقد رأيته .** ''یہ جھوٹا ہے۔ میں نے اسے دیکھا ہے۔'' (تاريخ العجلى : ٤٦٢)

امام ابوحاتم الرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **متروك الحديث ، محلّه محلّ الواقديّ .** ''یہ متروک الحدیث راوی ہے۔ اس کا درجہ واقدی (کذاب) والا درجہ ہے۔'' (الجرح والتعديل لابن ابى حاتم : ٩/٨٥)

امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **متروك الحديث .** ''یہ متروک الحدیث راوی ہے۔'' (الضعفاء والمتروكون للنسائى : ٦٣٧)

امام جوزجانی فرماتے ہیں: **ساقط .** ''یہ سخت ضعیف راوی ہے۔'' (احوال الرجال للجوزجانى : ٣٦٨)

امام ابوزرعہ الرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **ليس بشيء .** ''یہ کچھ بھی

نہیں تھا۔'' (تاریخ ابی زرعة : ۴۳۱/۳)

امام یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں: **كانت له معرفة بأمور الناس وأخبارهم ، ولم يكن في الحديث بالقوىّ ، ولا كانت له به معرفة ، وبعض الناس يحمل عليه في صدقه .** ''اس کو لوگوں کے معاملات اور ان کی تاریخ کی معرفت تھی۔ حدیث میں قوی نہیں تھا، نہ ہی اسے حدیث سے کوئی معرفت تھی۔ بعض محدثین اس کی سچائی پر بھی جرح کرتے ہیں۔'' (تاریخ بغداد للخطیب : ۵۳/۱۴، وسندہٗ صحیحٌ)

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **سكتوا عنه .** ''محدثین نے اس کی روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔'' (کتاب الضعفاء للبخاری : ۳۹۹)

اس کے علاوہ اس پر بہت سی جروح ہیں۔ ایک بھی توثیق ثابت نہیں۔

(ب) اس روایت کا دوسرا راوی مجالد بن سعید جمہور محدثین کرام کے نزدیک ''ضعیف'' اور ''سیی ء الحفظ'' ہے۔

حافظ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **وهو ضعيف عند الجمهور .**

''مجالد بن سعید جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔''

(مجمع الزوائد للهیثمی : ۶۶/۶، ۳۴۷/۷، ۳۲/۵، ۹۸/۹)

حافظ عراقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **ضعّفه الجمهور .** ''اسے جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔'' (فیخ القدیر للمناوی : ۱۳/۶، ح : ۸۲۴۷)

ابن العراقی کہتے ہیں: **قد ضعّفه الجمهور ، وقد اختلط آخيرا .**

''اسے جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے اور یہ آخر عمر میں مختلط ہو گیا تھا۔''

(طرح التثریب لابن العراقی : ۳۴۸/۲)

علامہ عینی حنفی لکھتے ہیں: **ضعّفه الجمهور .** ''اسے جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔'' (عمدة القاری : تحت حدیث : ۹۳۴)

دلیل نمبر ② : سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ما أدری أیّ النعمتین أعظم علیّ منّة من ربی ، رجل بذل مصاص وجهه إلیّ ، فرآنی موضعا لحاجته ، وأجری اللّٰہ قضاء ھا ، أو یسّرہ علی یدی ، ولأن أقضی لامرء مسلم حاجة أحبّ إلیّ من ملء الأرض ذھبا وفضة .

''بے شک میں نہیں جانتا کہ ان دونعمتوں میں کونسی مجھ پر زیادہ ہے: احسان ہے کہ ایک شخص میری سرکار کو اپنی حاجت روائی کا محل جان کر اپنا معزز منہ میرے سامنے لائے اور اللہ تعالیٰ اس کی حاجت کا روا ہونا اس کی آسانی میرے ہاتھ پر رواں فرمائے۔ یہ تمام روئے زمین بھر کر سونا چاندی ملنے سے مجھے زیادہ محبوب ہے کہ میں کسی مسلمان کی حاجت روا فرمادوں۔''

(قضاء الحوائج للنرسی بحوالہ کنز العمال : ۱۷۰۶۹)

تبصرہ : یہ بے سند روایت مردود و باطل ہے۔

ان دو جھوٹی روایات کو بنیاد بنا کر ''اعلیٰ حضرت'' اپنا عقیدہ یوں بیان کر رہے ہیں:

''وہابیہ کے نزدیک مولیٰ علی خدائی بول بول رہے ہیں۔ اپنے آپ کو غفار، ستار، قاضی الحاجات بتا رہے ہیں۔ وہابیو! دیکھا تم نے محبوبانِ خدا کا احسان، اُن کا غفران، اُن کی حاجت برآری، ان کی شانِ ستاری۔'' (الامن والعلی از احمد رضا : ص ۲۲۲۔۲۲۳)

قارئین یہ ہے عقیدہ اور یہ ہے اس کی بنیاد۔ آپ سے صرف انصاف کی اپیل ہے!

④ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے وفدِ ہوازن سے فرمایا: **إذا صلّیتم فقولوا : إنّا نستعین برسول اللّٰہ علی المؤمنین والمسلمین فی نسائنا وأبنائنا .** جب ظہر کی نماز پڑھ چکو تو کھڑے ہونا اور یوں کہنا : ہم رسول اللہ ﷺ سے استعانت طلب کرتے ہیں مؤمنین پر، اپنی عورتوں اور بچوں کے باب میں۔'' (سنن النسائی : ۳۷۱۸)

تبصرہ : اس کی سند ''ضعیف'' ہے۔ اس میں محمد بن اسحاق راوی مدلس ہے۔ ثقہ مدلس جب بخاری و مسلم کے علاوہ عن سے روایت کرے تو ''ضعیف'' ہوتی ہے۔

جناب احمد رضا خان بریلوی اس ''ضعیف'' حدیث پر اپنے باطل عقیدے کی بنیاد یوں ڈالتے ہیں: ''حدیث فرماتی ہے، سید عالم ﷺ نے بنفسِ نفیس تعلیم فرمائی کہ مجھ سے مدد چاہنا۔ نماز کے بعد یوں کہنا کہ ہم رسول ﷺ سے استعانت کرتے ہیں۔''

(الامن والعلی از احمد رضا : ۱۲۱)

اس حدیث کے صحیح الفاظ یہ ہیں: **فإذا صلّيت للناس الظهر ، فقوموا ، فقولوا : إنّا نستشفع برسول الله إلى المسلمين وبالمسلمين إلى رسول الله في أبنائنا ونسائنا .** ''جب لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھا دی جائے تو تم کھڑے ہو جاؤ اور کہو: ہم اپنے بیٹوں اور اپنی بیویوں کے بارے میں مسلمانوں کی طرف اللہ کے رسول کی سفارش لاتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی طرف مسلمانوں کی سفارش لاتے ہیں۔''

(مسند الامام احمد : ۲۱۸/۲، وسندہٗ حسنٌ)

عقیدہ نمبر ④ :

(ا) سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

عليّ قسيم النار ، يدخل أولياه الجنّة ، وأعداء ه النار .

''علی جہنم تقسیم کرنے والے ہیں۔ ان کے دوست جنت میں اور ان کے دشمن جہنم میں جائیں گے۔'' (العلل للدارقطنی : ۲۷۳/۶)

تبصرہ : یہ روایت ''ضعیف وباطل'' ہے۔ خود امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **وهذا الحديث باطل بهذا الإسناد ، ومن دون عبيد الله ضعفاء ، والقبلي ضعيف جدّا .** ''عبید اللہ کے نیچے تمام راوی ضعیف ہیں۔ اور قبلی سخت ضعیف راوی ہے۔''

(ب) سیدنا علی رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں: **أنا قسيم النار ، إذا كان يوم القيامة قلت : هذا لک ، وهذا لی .** ''میں جہنم کا قسیم ہوں۔ جب قیامت کا دِن ہوگا تو میں کہوں گا: (اے جہنم!) یہ تیرے لیے اور یہ میرے لیے ہے۔''

(المعرفة والتاريخ للفسوی : ۲/۷٦٤، الكامل لابن عدی : ٦/۳۳۹، الضعفاء الكبير للعقيلی : ۳/۳۱۵، ٤/۱٥۸، العلل المتناهية لابن الجوزی : ۲/۹٤٥، ح : ۱٥۷٦)

تبصرہ : یہ روایت باطل ہے۔اس کا راوی موسیٰ بن طریف الاسدی سخت ترین مجروح ہے۔امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ اسے ''ضعیف'' قرار دیتے ہیں۔

(تاريخ يحيى بن معين : ۱۷٥٤)

امام ابوزرعہ رحمہ اللہ نے بھی ''ضعیف'' کہا ہے۔(تاريخ ابی زرعة : ۲/٦۱۲)

امام ابنِ حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **كان ممّن يأتي بالمناكير التي لا أصول لها عن أبيه عن أقوام مشاهير .** ''یہ ان لوگوں میں سے تھا، جو منکر روایات بیان کرتے تھے۔یہ اپنے والد کے واسطے سے مشہور ائمہ سے بے سروپا روایات بیان کرتا تھا۔''(المجروحين لابن حبان : ۲/۲۳۸)

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اسے ''متروک'' قرار دیا ہے۔(الضعفاء للدارقطنی : ٥۲۰)

امام ابنِ عدی (الکامل: ٦/ ۳۳۹) اور امام جوزجانی (احوال الرجال: ص ۴۹) نے اسے زائغ کہا ہے۔امام عقیلی رحمہ اللہ نے اسے ''غالی ملحد'' قرار دیا ہے۔(الضعفاء الكبير : ۳/٤۱٥)

امام ابومعاویہ الضریر کہتے ہیں: **قلنا للأعمش : لا تحدّث بهذه الأحاديث . قال : يسألوني ، فما أصنع ، ربما سهوت ، فإذا سألوني عن شيء من هذا فسهوت ، فذكّروني ، قال : فكنّا يوماً عنده ، فجاء رجل ، فسأله عن حديث : أنا قسيم النار ، قال : فتنحنحت ، قال : فقال الأعمش : هؤلاء المرجئة لا يدعوني ، أحدّث بفضائل عليّ ، أخرجوهم من المسجد حتّى أحدثكم .** ''ہم نے اعمش سے کہا کہ یہ احادیث بیان نہ کریں۔انہوں نے کہا: وہ مجھ سے پوچھ لیتے ہیں تو میں کیا کروں؟ بسا اوقات میں بھول جاتا ہوں۔جب وہ مجھ سے کسی چیز کے بارے پوچھیں اور میں بھول جاؤں تو تم مجھے یاد کروا دینا۔ہم ایک دن ان کے پاس تھے کہ ایک آدمی آیا، اس نے ان سے أنا قسیم النار والی روایت کے بارے میں پوچھا۔میں نے

اشارہ کیا۔امام اعمش نے فرمایا: یہ مرجی لوگ مجھے نہیں چھوڑتے کہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں احادیث بیان کروں۔ان کو مسجد سے نکالو تا کہ میں تمہیں احادیث بیان کروں۔''

(المعرفة والتاریخ للفسوی : ۲/۷٦٤، وسندہٗ صحیحٌ)

فائدہ : عبایۃ بن ربعی کہتا ہے کہ میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا: **أنا قسیم النار .** اس قول کی سند بھی باطل ہے۔عبایۃ بن ربعی راوی متکلم فیہ ہے۔امام عقیلی رحمہ اللہ نے اسے ''غالی ملحد'' قرار دیا ہے۔(الضعفاء الکبیر للعقیلی : ۳/٤١٥)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے موسیٰ بن طریف اور عبایہ بن ربعی دونوں کو غالی شیعہ قرار دیا ہے۔

(میزان الاعتدال للذہبی : ۲/۳۸۷)

امام ابوحاتم الرازی رحمہ اللہ کہتے ہیں: **كان من عتق الشيعة ، قلت : ما حاله ؟ قال : شيخ .** ''یہ پرانے شیعوں میں سے تھا۔میں نے عرض کیا:اس کی حالت کیسی تھی؟ فرمایا: شیخ تھا۔''(الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم : ۷/۲۹)

اس روایت کا دوسرا راوی قیس بن الربیع جمہور محدثین کرام کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔

حافظ عراقی رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: **ضعّفه الجمهور .**

''اسے جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔''

(المغنی عن حمل الاسفار للعراقی : ٤/۷۰، فیض القدیر للمناوی : ۳/۹۲)

حافظ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **ضعّفه الناس .** ''اسے لوگوں نے ضعیف قرار دیا ہے۔''(مجمع الزوائد : ۲/۱۹۰)

ان باطل روایات پر احمد رضا خان بریلوی اپنے باطل عقائد کی بنیاد ڈال کر لکھتے ہیں:

''مولیٰ علی قسیم النار ہیں۔ملاجی ذرا انصاف کی کنجی سے دیدۂ عقل کے کواڑ کھول کر یہ کنجیاں دیکھیے تو مالک الملک،شہنشاہِ قدیر جل جلالہ نے اپنے نائبِ اکبر،خلیفہ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی ہیں۔خزانوں کی کنجیاں،زمین کی کنجیاں،دنیا کی کنجیاں،نصرت کی کنجیاں،نفع کی کنجیاں،جنت کی کنجیاں،نار کی کنجیاں،ہر شے کی کنجیاں۔۔۔''(الامن والعلی از احمد رضا خان : ص ۸۱۔۸۲)

تین رکعت وتر کا ثبوت اور طریقۂ ادائیگی

حافظ ابو یحییٰ نورپوری

تین رکعت وتر کا ثبوت:

ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسولِ اکرم ﷺ کے رمضان میں قیام اللیل کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا:

ما کان رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم یزید فی رمضان ولا فی غیره علی إحدی عشرة رکعة ، یصلّی أربعا فلا تسأل عن حسنهنّ وطولهنّ ، ثمّ یصلّی أربعا فلا تسأل عن حسنهنّ وطولهنّ ، ثم یصلّی ثلاثا .

''رسولِ اکرم ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زائد نہیں پڑھتے تھے۔ آپ ﷺ چار رکعتیں ادا فرماتے۔ان کی حسن وخوبی اور طوالت کے بارے میں نہ پوچھیے ! پھر آپ ﷺ چار رکعات ادا فرماتے ۔ ان کی حسن وخوبی اور طوالت کے بارے میں نہ پوچھیے ! پھر آپ ﷺ تین رکعت (وتر) ادا فرماتے۔''

(صحیح البخاری : ١١٤٧، صحیح مسلم : ٧٣٨)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

أنّه رقد عند رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم ، فاستیقظ ، فتسوّک وتوضّأ ، وهو یقول : ﴿ إِنَّ فِی خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَآیَاتٍ لِأُولِی الْأَلْبَابِ ﴾ ، فقرأ هؤلاء الآیات ، حتّی ختم السورة ، ثمّ قام ، فصلّی رکعتین ، فأطال فیهما القیام والرکوع والسجود ، ثمّ انصرف ، فنام حتّی نفخ ، ثمّ فعل ذلک ثلاث مرّات ، ستّ رکعات ، کلّ ذلک یستاک

ويتوضّأ ، ويقرأ هؤلاء الآيات ، ثمّ أوتر بثلاث .

''وہ رسولِ اکرم ﷺ کے ہاں سوئے۔آپ ﷺ رات کو بیدار ہوئے،مسواک کی اور وضو فرمایا۔ اس دوران آپ ﷺ سورۂ آلِ عمران کی آیت(۱۹۰) تلاوت فرمارہے تھے، آپ ﷺ نے آخر سورت تک پڑھا۔ پھر کھڑے ہوکر دو رکعتیں ادا فرمائیں۔ ان میں قیام، رکوع اور سجدہ لمبا فرمایا، پھر فارغ ہو کر سوئے اور خراٹے لینے لگے۔آپ ﷺ نے اس طرح تین بار کیا اور چھ رکعتیں ادا فرمائیں۔ ہر دفعہ مسواک کرتے، وضو فرماتے اور ان آیات کی تلاوت فرماتے۔پھر آپ ﷺ نے تین وتر پڑھے۔''(صحيح مسلم : ٧٦٣/١٩١)

تین رکعت وتر کا طریقہ ادائیگی:

تین رکعت وتر ادا کرنے کے دو طریقے ہیں:

پہلا طریقہ:

پہلا طریقہ یہ ہے کہ دو رکعت وتر ادا کر کے سلام پھیرا جائے اور پھر ایک رکعت الگ ادا کی جائے۔رسولِ اکرم ﷺ سے یہی طریقہ ثابت ہے۔آیئے اس کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں

سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: كان رسول اللّٰه صلّى الله عليه وسلّم يفصل بين الوتر والشفع بتسليمة ويسمعناها .

''رسولِ اکرم ﷺ (وتر کی) جفت اور طاق رکعت کے درمیان سلام کے ساتھ فصل کرتے اور ہمیں سلام کی آواز سناتے۔''(مسند الامام احمد : ٧٦/٢، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ابنِ حبان رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے۔(صحيح ابن حبان : ٢٤٣٣، ٢٤٣٥)

نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: إنّ عبد اللّٰه بن عمر كان يسلّم بين الركعة والركعتين في الوتر ، حتّى يأمر ببعض حاجته .

''سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وتر کی دو رکعتوں اور ایک رکعت میں سلام پھیرتے، یہاں تک کہ کسی کام کے بارے میں حکم بھی فرما دیتے تھے۔'' (صحیح البخاری: ۹۹۱، الموطا للامام مالك: ۱/۱۲۵، شرح معانی الآثار للطحاوی: ۱/۲۷۸۔۲۷۹، وسندهٔ صحیحٌ)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ''قوی'' قرار دیا ہے۔

(فتح الباری لابن حجر: ۲/۴۸۲)

امام شعبی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: **كان آل سعد و آل عبد اللّٰه بن عمر يسلّمون في ركعتي الوتر، ويوترون بركعة.** ''سیدنا سعد بن ابی وقاص اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے خاندان وتر کی دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے تھے، پھر ایک رکعت وتر ادا کرتے تھے۔'' (مصنف ابن ابی شیبة: ۲/۲۹۲، وسندهٔ صحیحٌ)

عبداللہ بن عون رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: **كان الحسن يسلّم في ركعتي الوتر.** ''امام حسن بصری رحمہ اللہ وتر کی دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے تھے۔''

(مصنف ابن ابی شیبة: ۲/۲۹۲، وسندهٔ صحیحٌ)

نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک سلام کے ساتھ تین وتر ثابت نہیں

نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک سلام کے ساتھ تین وتر ثابت نہیں۔ آیئے ملاحظہ فرمائیں:

❀ بعض لوگوں نے صحیح بخاری و مسلم کی مذکورۃ الصدر حدیث سے تین رکعت نمازِ وتر ایک سلام سے ادا کرنے پر استدلال کیا ہے، لیکن ان کا استدلال صحیح نہیں، کیونکہ اس حدیث کی وضاحت صحیح مسلم (۱۲۲/۷۳۶) میں موجود ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں:

كان رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم يصلّي إحدى عشرة ركعة، يسلّم بين كلّ ركعتين، ويوتر بواحدة. ''رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (رات کو) گیارہ رکعات ادا فرماتے تھے۔ ہر دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے اور ایک رکعت وتر ادا فرماتے۔''

یہ حدیث اس بات پر نص ہے کہ نبی اکرم ﷺ تین رکعات نمازِ وتر دو سلام سے ہی ادا کرتے تھے، کیونکہ فعل مضارع پر کان داخل ہو تو کوئی مخالف قرینہ نہ ہونے کی صورت میں اسے استمرار پر ہی محمول کیا جاتا ہے۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک رکعت وتر الگ پڑھنے کو آپ ﷺ کا دائمی و اکثری عمل بتایا ہے۔

۞ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: **إنّ رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم كان لا يسلّم في ركعتي الوتر .** ''رسولِ اکرم ﷺ وتر کی دو رکعتوں کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے۔'' (سنن النسائی : ١٦٩٩)

اس کی سند ''ضعیف'' ہے۔ اس میں قتادہ راوی مدلس ہیں، جو کہ عن کے لفظ سے روایت بیان کر رہے ہیں۔

۞ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: **إنّ رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم إذا صلّى العشاء دخل المنزل ، ثمّ صلّى ركعتين ، ثمّ صلّى بعدها ركعتين أطول منهما ، ثمّ أوتر بثلاث لا يفصل فيهنّ ، ثمّ صلّى ركعتين ، وهو جالس ، يركع وهو جالس ، ويسجد وهو قاعد جالس .**

''رسولِ اکرم ﷺ جب عشاء کی نماز ادا فرما کر گھر میں داخل ہوتے تو دو رکعتیں پڑھتے۔ پھر ان سے بھی لمبی دو رکعتیں پڑھتے، پھر تین وتر ادا فرماتے۔ ان میں سلام پھیر کر فاصلہ نہ کرتے۔ پھر دو رکعتیں بیٹھ کر ادا فرماتے۔ بیٹھے ہوئے رکوع و سجود کرتے۔''

(مسند الامام احمد : ٦/١٥٥۔١٥٦)

اس کی سند امام حسن بصری رحمہ اللہ کی تدلیس کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔

۞ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: **كان رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم يوتر بثلاث ، لا يسلّم إلّا في آخرهنّ ، وهذا وتر أمير المؤمنين عمر ابن الخطّاب رضي اللّٰه عنه ، وعنه أخذه أه المدينة .**

''رسولِ اکرم ﷺ تین رکعات وتر پڑھتے تھے اور سلام فقط آخری رکعت میں پھیرتے تھے اور یہی امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بھی وتر ہیں۔ انہی سے یہ اہل مدینہ نے لیے ہیں۔''
(المستدرك للحاكم : ١/٣٠٤)

اس کی سند قتادہ کی تدلیس کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔

امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **علی علوّ قدره يدلّس ويأخذ عن كلّ أحد .** ''امام قتادہ اپنی بلند قدر ومنزلت کے باوجود تدلیس بھی کرتے تھے اور ہر طرح کے راویوں سے روایات لیتے تھے۔(المستدرك على الصحيحين للحاكم : ٨٥١)

۞ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: **كان رسول الله صلّى اللّه عليه وسلّم يقرأ في الوتر بـ ﴿ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى ﴾ ، وفي الركعة الثانية بـ ﴿ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ ﴾ ، وفي الثالثة بـ ﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ﴾ ، ولا يسلّم إلّا في آخرهنّ ، ويقول ، يعني بعد التسليم : سبحان الملك القدّوس ثلاثا .** ''رسولِ اکرم ﷺ وتر کی پہلی رکعت میں سورۃ الاعلیٰ، دوسری میں سورۃ الکافرون اور تیسری میں سورۃ الاخلاص کی تلاوت کرتے تھے۔ صرف آخری رکعت میں سلام پھیرتے تھے اور سلام کے بعد تین مرتبہ سبحان الملک القدوس پڑھتے تھے۔''
(سنن النسائی : ١٧٠٢)

اس کی سند قتادہ راوی کی تدلیس کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔

۞ ثابت البنانی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: **قال أنس : يا أبا محمّد ! خذ منّي ، فإنّي أخذت عن رسول الله صلّى الله عليه وسلّم ، وأخذ رسول الله صلّى الله عليه وسلّم عن الله ، ولن تأخذ عن أحد أوثق منّي ، قال : ثمّ صلّى بي العشاء ، ثمّ صلّى ستّ ركعات ، يسلّم بين الركعتين ، ثمّ أوتر بثلاث ، يسلّم في آخرهنّ .** ''سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابو محمد (ثابت البنانی کی کنیت)! مجھ

سے اخذ کرلو، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اور آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے اخذ کیا ہے اور تم ہرگز مجھ سے زیادہ ثقہ آدمی سے اخذ نہیں کر سکتے۔ ثابت البنانی بیان کرتے ہیں کہ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے مجھے عشاء کی نماز پڑھائی، پھر چھ رکعات نفل ادا کیے۔ ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے رہے۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے تین رکعات وتر پڑھے اور ان کے آخر میں سلام پھیرا۔''

(کنز العمال : ٨/٦٦، تاریخ ابن عساکر : ٩/٢٦٨)

اس کی سند ''ضعیف'' ہے۔ اس میں میمون بن عبداللہ، ابوعبداللہ راوی ہے، جو کہ ''مجہول'' ہے۔(دیکھیں تقریب التهذیب لابن حجر : ٧٠٤٨)

لہٰذا اس سے حجت لینا درست نہیں۔

❀ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أرسلت أمّی لیلة لتبیت عند النبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم ، فتنظر کیف یوتر ، فصلّی ما شاء اللّٰه أن یصلّی ، حتّی إذا کان آخر اللیل وأراد الوتر قرأ بـ ﴿ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْأَعْلٰی ﴾ فی الرکعة الأولی ، وقرأ فی الثانیة ﴿ قُلْ یَا أَیُّهَا الْکَافِرُوْنَ ﴾ ، ثمّ قعد ، ثمّ قام ولم یفصل بینهما بالسلام ، ثمّ قرأ بـ ﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ﴾ ، حتّی إذا فرغ کبّر ، ثمّ قنت ، فدعا بما شاء اللّٰه أن یدعو ، ثمّ کبّر ورکع .

''میں نے اپنی والدہ کو ایک دفعہ رات گزارنے کے لیے نبی ﷺ کے یہاں بھیجا تاکہ وہ یہ دیکھیں کہ آپ ﷺ وتر کیسے پڑھتے ہیں؟ (آپ کی والدہ فرماتی ہیں) آپ ﷺ نے نماز پڑھی، جتنی اللہ تعالیٰ نے چاہی حتی کہ جب رات کا اخیر ہوگیا اور آپ نے وتر پڑھنے کا ارادہ کیا تو پہلی رکعت میں سورۃ الاعلیٰ اور دوسری میں سورۃ الکافرون پڑھیں۔ پھر قعدہ کیا، پھر قعدہ کے بعد کھڑے ہوئے اور ان کے درمیان سلام کے ساتھ فصل نہیں کیا۔ پھر آپ ﷺ نے سورۃ الاخلاص پڑھی۔ جب آپ قرائت سے فارغ ہوئے تو تکبیر کہی اور دعائے قنوت پڑھی اور قنوت میں جو اللہ نے چاہا دعا مانگی، پھر اللہ اکبر کہہ کر رکوع کیا۔''

(الاستیعاب فی معرفة الاصحاب لابن عبد البر : ٤/ ٧١، مصنف ابن ابی شیبة : ٢/ ٣٠٢)

یہ روایت من گھڑت ہے۔اس میں ابان بن عیاش راوی کذاب اور متروک ہے۔

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے اسے متروک قرار دیا ہے۔(تقریب التہذیب لابن حجر : ١٤٢)

نیز فرماتے ہیں: **ضعیف بالاتّفاق .** ''یہ بالاتفاق ضعیف راوی ہے۔''(فتح الباری لابن حجر : ٩/ ٢٢٢۔٢٣٩)

نیز اس روایت میں ابراہیم نخعی مدلس ہیں، جو کہ عن سے روایت کررہے ہیں۔

دوسرا طریقہ :

بعض صحابہ کرام اور سلف سے تین وتروں کو ایک سلام کے ساتھ پڑھنا ثابت ہے اور جواز پر محمول ہے، چنانچہ:

۞ سیدنا مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: **دفنّا أبا بکر رضی اللّٰه عنه لیلا ، فقال عمر رضی اللّٰه عنه : إنّی لم أوتر ، فقام وصففنا وراء ہ ، فصلّی بنا ثلاث رکعات ، لم یسلّم إلّا فی آخرهنّ .**

''ہم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رات کے وقت دفن کیا۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے وتر ادا نہیں کیے۔آپ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور ہم نے ان کے پیچھے صف بنائی۔آپ رضی اللہ عنہ نے ہمیں تین وتر پڑھائے۔صرف ان کے آخر میں سلام پھیرا۔''(شرح معانی الآثار : ١/ ٣٩٣، وسندہٗ حسنٌ)

۞ ثابت البنانی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: **صلّی بی أنس رضی اللّٰه عنه الوتر ، وأنا عن یمینه ، وأمّ ولده خلفنا ، ثلاث رکعات لم یسلّم إلّا فی آخرهنّ ، ظننت أنّه یرید أن یعلّمنی .** ''سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے مجھے وتر پڑھائے۔میں ان کی دائیں جانب تھا اور ان کی ام الولد لونڈی ہمارے پیچھے تھیں۔آپ نے صرف آخر میں سلام پھیرا۔میں سمجھا کہ آپ رضی اللہ عنہ مجھے تعلیم دے رہے ہیں۔''

(شرح معانی الآثار للطحاوی : ۱/ ۲۹٤، وسندهٗ حسنٌ)

۞ ثابت البنانی رحمہ اللہ ہی بیان کرتے ہیں: **انّہ أوتر بثلاث ، لم یسلّم إلّا فی آخرھنّ .** ''سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے تین وتر پڑھے اور صرف آخر میں سلام پھیرا۔'' (مصنف ابن ابی شیبة : ۲/ ۲۹٤، وسندهٗ صحیحٌ)

۞ ابواسحاق رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: **کان أصحاب علیّ ، وأصحاب عبد اللّٰہ لا یسلّمون فی رکعتی الوتر .** ''سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ وتروں کی دو رکعت کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے۔''

(مصنف ابن ابی شیبة : ۲/ ۲۹۵، وسندهٗ صحیحٌ)

۞ ہشام الغاز رحمہ اللہ، امام مکحول رحمہ اللہ کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

انّہ کان یوتر بثلاث ، لا یسلّم إلّا فی آخرھنّ . ''آپ رحمہ اللہ تین وتر پڑھتے تھے، صرف آخر میں سلام پھیرتے۔'' (مصنف ابن ابی شیبة : ۲/ ۲۹٤، وسندهٗ صحیحٌ)

۞ ابوالزناد بیان کرتے ہیں: **أثبت عمر بن عبد العزیز الوتر بالمدینة بقول الفقھاء ثلاثا ، لا یسلّم إلّا فی آخرھنّ .**

''امام عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فقہائے کرام کے مشورے سے مدینہ میں تین وتر مقرر کیے، جن کے صرف آخر میں سلام پھیرا جاتا تھا۔''

(شرح معانی الآثار للطحاوی : ۱/ ۲۹٦، وسندهٗ حسنٌ)

قیس بن سعد، امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

انّہ کان یوتر بثلاث ، لا یجلس فیھنّ ، ولا یتشھّد إلّا فی آخرھنّ .

''آپ رحمہ اللہ تین وتر پڑھتے، درمیان میں نہ بیٹھتے، نہ تشہد پڑھتے، مگر آخر میں ہی بیٹھے اور تشہد پڑھتے۔''

(المستدرك للحاکم : ۱/ ۳۰۵، السنن الکبرٰی للبیھقی : ۳/ ۲۹، واللفظ له ، وسندهٗ حسنٌ)

تین رکعت وتر ایک سلام سے پڑھنے کا طریقہ یہی ہے، جیسا کہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((**لا توتروا بثلاث ، أوتروا بخمس أو بسبع ، ولا تشبّهوا بصلاۃ المغرب**)) ''تم تین وتر نہ پڑھو، بلکہ پانچ یا سات وتر پڑھو۔ (وتر کو) مغرب کی نماز کے ساتھ تشبیہ نہ دو۔'' (سنن الدارقطنی : ۲/۲٤، ح : ۱٦۳٤، المستدرک للحاکم : ۱/۳۰٤، السنن الکبرٰی للبیهقی : ۳/۳۱، وسندهٗ صحیحٌ)

اس حدیث کو امام ابنِ حبان رحمہ اللہ (۲۴۲۹) نے ''صحیح'' قرار دیا ہے اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے بخاری و مسلم کی شرط پر ''صحیح'' کہا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

تین وتر سے ممانعت نمازِ مغرب کی مشابہت کی وجہ سے ہے۔ مغرب کی نماز سے مشابہت یہ ہے کہ تین رکعت نمازِ وتر میں نمازِ مغرب کی طرح دو تشہدوں کے ساتھ پڑھی جائے۔ اگر دو رکعتوں کے بعد تشہد کی بجائے سیدھا کھڑا ہوا جائے تو مغرب سے مشابہت ختم ہو جاتی ہے۔

تنبیہ ① : **عن عبد الرحمن بن أبی الزناد ، عن أبیه ، عن الفقهاء السبعة : سعید بن المسیّب ، وعروۃ بن الزبیر ، والقاسم بن محمّد ، وأبی بکر بن عبد الرحمن ، وخارجة بن زید ، وعبید اللّٰه ، وسلیمان بن یسار ، فی مشیخة سواهم أهل الفقه وصلاح وفضل ، وربما اختلفوا فی الشیء ، فأخذ بقول أکثرهم وأفضلهم رأیا ، فکان ممّا وعیت عنهم علی هذه الصفة أنّ الوتر ثلاث ، لا یسلّم إلّا فی آخرهنّ .** ''ابوالزناد نے فقہائے سبعہ: سعید بن مسیّب، عروہ بن زبیر، قاسم بن محمد، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، خارجہ بن زید، عبیداللہ، سلیمان بن یسار سے ان کے علاوہ دوسرے فقیہ اہلِ صلاح اور صاحبِ فضل بزرگوں کی موجودگی میں روایت کی۔ یہ بزرگ اگر کسی مسئلہ میں اختلاف کرتے تو اس شخص کے قول پر عمل کرتے، جو زیادہ ذی رائے اور افضل ہوتا۔ میں نے جو باتیں ان سے اس طریقہ پر یاد کی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ

وتر تین ہیں، جن میں سلام فقط آخر ہی میں پھیرا جائے گا۔'' (شرح معانی الآثار : ۲۹۷/۱)

اس کی سند ''ضعیف'' ہے۔ اس کے راوی ابو العوام محمد بن عبداللہ بن عبدالجبار المرادی کے حالات نہیں مل سکے۔ صاحبِ کشف الاستار لکھتے ہیں: **لم أر من ترجّمه .**

''میرے علم میں کسی نے اس کے حالات درج نہیں کیے۔''

(کشف الاستار عن رجال معانی الآثار تلخیص مغانی الاخیار : ص ۲۳)

تنبیہ ② : عن الحسن قال : أجمع المسلمون أنّ الوتر ثلاث ، لا یسلّم إلّا فی آخرھنّ . ''امام حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا اجماع ہے کہ وتر تین ہیں اور ان کے آخر میں ہی سلام پھیرا جائے گا۔''

(مصنف ابن ابی شیبۃ : ۲۹۴/۲)

یہ جھوٹ کا پلندا ہے۔ اس کا راوی عمرو بن عبید کذاب اور متروک ہے۔

امام ابو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **کان متروک الحدیث .**

''یہ متروک الحدیث راوی تھا۔'' (الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم : ۲۳۷/۶)

امام یونس بن عبید رحمہ اللہ کہتے ہیں: **یکذب فی الحدیث .**

''یہ حدیث میں جھوٹ بولتا ہے۔'' (الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم : ۲٤٦/۶)

حماد بن سلمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھے حمید رحمہ اللہ نے فرمایا: **لا تأخذ عن ھذا شیئا ، فإنّه یکذب علی الحسن .** ''اس سے کوئی روایت نہ لینا۔ یہ حسن بصری رحمہ اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے۔'' (الجرح والتعدیل : ۲٤٦/۶)

اس روایت میں دوسری علت یہ ہے کہ اس میں حفص بن غیاث مدلس ہیں۔

صحیح احادیث و آثار کے خلاف جھوٹا اجماع پیش کرنے والے کون ہو سکتے ہیں؟

خود امام حسن بصری رحمہ اللہ سے نمازِ وتر میں دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرنا ثابت ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبۃ : ۲۹۲/۲، و سندہٗ صحیحٌ)

سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو زہر کس نے دیا؟

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

نواسۂ رسول، گوشۂ بتول، نوجوانانِ جنت کے سردار اور گلستانِ رسالت کے پھول، سیدنا وامامنا ومحبوبنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو زہر دیا گیا تھا، جیسا کہ عمیر بن اسحاق کہتے ہیں:

دخلت أنا ورجل على الحسن بن علی نعوده ، فجعل يقول لذلک الرجل : سلنی قبل أن لا تسألنی ، قال : ما أريد أن أسألک شيئا ، يعافيک اللّٰه ، قال : فقام فدخل الکنيف ، ثمّ خرج إلينا ، ثمّ قال : ما خرجت إليکم حتی لفظت طائفة من کبدی أقلبها بهذا العود ، ولقد سقيت السمّ مرارا ، ما شیء أشدّ من هذه المرّة ، قال : فغدونا عليه من الغد ، فإذا هو فی السوق ، قال : وجاء الحسين فجلس عند رأسه ، فقال : يا أخی ، من صاحبک ؟ قال : تريد قتله ؟ قال : نعم ، قال : لئن کان الذی أظنّ ، للّٰه أشدّ نقمة ، وإن کان بريئا فما أحبّ أن يقتل بریء .

''میں اور ایک آدمی سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما پر عیادت کے لیے داخل ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہما اس آدمی سے کہنے لگے: مجھ سے سوال نہ کر سکنے سے پہلے سوال کر لیں۔ اس آدمی نے عرض کیا: میں آپ سے کوئی سوال نہیں کرنا چاہتا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو عافیت دے۔ آپ رضی اللہ عنہما کھڑے ہوئے اور بیت الخلاء گئے۔ پھر نکل کر ہمارے پاس آئے، پھر فرمایا: میں نے تمہارے پاس آنے سے پہلے اپنے جگر کا ایک ٹکڑا (پاخانے کے ذریعہ) پھینک دیا ہے۔ میں اس کو اس لکڑی کے ساتھ الٹ پلٹ کر رہا تھا۔ میں نے کئی بار زہر پیا ہے، لیکن اس دفعہ سے سخت کبھی نہیں تھا۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم ان کے پاس اگلے دن آئے تو آپ رضی اللہ عنہما حالتِ نزع میں تھے۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آئے اور آپ کے سر مبارک کے پاس بیٹھ گئے اور کہا: اے

بھائی! آپ کو زہر دینے والا کون ہے؟ آپ رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کیا آپ اسے قتل کرنا چاہتے ہیں؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! فرمایا: اگر وہ شخص وہی ہے جو میں سمجھتا ہوں تو اللہ تعالیٰ انتقام لینے میں زیادہ سخت ہے۔ اور اگر وہ بری ہے تو میں ایک بری آدمی کو قتل نہیں کرنا چاہتا۔''

(مصنف ابن ابی شیبة : ۹۳/۱۵، ۹٤، کتاب المحتضرین لابن ابی الدنیا : ۱۳۲، المستدرك للحاکم : ۱۷٦/۳، الاستیعاب لابن عبد البر : ۱۱٥/۳، تاریخ ابن عساکر : ۲۸۲/۱۳، وسندہٗ حسنٌ)

سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا قاتل کون؟

شیعہ حضرات کا کہنا ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے زہر دیا۔ یہ بے حقیقت اور بے ثبوت بات ہے۔ شیعہ کے دلائل کا علمی و تحقیقی جائزہ پیشِ خدمت ہے:

دلیل نمبر ① : قال ابن عبد البرّ : ذكر أبو زيد عمر بن شبه وأبو بكر بن أبي خيثمة قالا : حدّثنا موسى بن إسماعيل قال : حدّثنا أبو بلال عن قتادة قال : دخل الحسين على الحسن ، فقال : يا أخي ! إنّي سقيت السمّ ثلاث مرّات ، لم أسق مثل هذه المرّة ، إنّي لأضع كبدي ، فقال الحسين : من سقاک يا أخي ؟ قال : ما سؤالک عن هذا ، أتريد أن تقاتلهم ؟ أكلهم إلى اللّٰه ، فلمّا مات ورد البريد بموته على معاوية ، فقال : يا عجبا من الحسن شرب شربة من عسل بماء رومة فقضى نحبه . ''سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: اے بھائی! میں نے کئی بار تین بار زہر پیا ہے، لیکن اس مرتبہ کی طرح کبھی نہیں پلایا گیا۔ میرا جگر نکلتا جارہا ہے۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے کہا: بھائی! آپ کو کس نے زہر پلایا ہے؟ فرمایا: اس بارے میں آپ کے سوال کا کیا مطلب ہے؟ کیا آپ ان سے لڑائی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟ میں ان کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ فوت ہوگئے

اورسیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آپ کی موت کا پیغام پہنچا تو آپ کہنے لگے: افسوس ہے کہ حسن نے رومہ کے پانی کے ساتھ شہد کا ایک جام پیا اور فوت ہو گئے۔'' (الاستیعاب لابن عبد البر: ۱۱۵/۱)

تبصرہ: اس کی سند سخت ترین ''ضعیف'' ہے۔ اس کا راوی محمد بن سلیم ابو ہلال الراسبی (م ۱۶۷ھ) جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔

جارحین

① امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **قد احتمل حديثه إلّا أنّه يخالف في حديثه قتادة ، وهو مضطرب الحديث عن قتادة .**

''اس کی حدیث بیان کی گئی ہے، لیکن یہ قتادہ سے بیان کرنے میں ثقہ راویوں کی مخالفت کرتا ہے۔ قتادہ سے اس کی حدیثیں مضطرب ہیں۔'' (الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم: ۲۷۳/۷)

② امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ ابو ہلال راسبی کی قتادہ سے روایات کیسی ہیں؟ فرمایا: اس میں ضعف ہے، یہ راوی کچھ اچھا ہے۔''

(الجرح والتعدیل: ۲۷۴/۷، وسندہٗ صحیحٌ)

③ امام ابنِ عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **هذه الأحاديث لأبي هلال عن قتادة عن أنس كلّ ذلك ، أو عامّتها غير محفوظة .**

''یہ ابو ہلال کی قتادہ عن انس احادیث ہیں۔ یہ سب کی سب یا اکثر غیر محفوظ ہیں۔''

(الکامل لابن عدی: ۲۱۴/۶، وفی نسخة: ۲۲۲۰/۶)

ان تینوں ائمہ کرام کی جرح مفسر ہے۔ یہ روایت بھی ابو ہلال کی قتادہ سے ہے، لہٰذا ''ضعیف'' ہے۔

④ امام ابنِ سعد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **فيه ضعف .** ''اس میں

کمزوری ہے۔'' (الطبقات الکبریٰ لابن سعد : ۲۷۵/۷)

⑤ امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **لیس بقویّ .** ''یہ قوی راوی نہیں ہے۔'' (الضعفاء للنسائی : ۲۰۲)

⑥ امام ابوزرعہ الرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **لیّن .** ''کمزور راوی ہے۔'' (الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم : ۲۷٤/۷)

⑦ امام یزید بن زریع کہتے ہیں کہ یہ کچھ بھی نہیں۔

(الجرح والتعدیل : ۲۷۳/۷، وسندہٗ صحیحٌ)

نیز فرماتے ہیں: **عدلت عن أبی هلال عمدا .** ''میں جان بوجھ کر ابو ہلال سے دُور ہٹا ہوں۔'' (الجرح والتعدیل : ۲۷۳/۷، وسندہٗ صحیحٌ)

⑧ امام یحییٰ بن سعید القطان اس سے روایت نہیں لیتے تھے۔

(الجرح والتعدیل : ۲۷۳/۷، وسندہٗ صحیحٌ)

⑨ امام ابنِ حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **وكان أبو هلال شيخا صدوقا ، إلّا أنّه كان يخطىء كثيرا من غير تعمّد ، حتّى صار يرفع المراسيل ، ولا يعلم ، وأكثر ما كان يحدّث من حفظه ، فوقع المناكير فی حديثه من سوء حفظه .** ''ابو ہلال سچا شیخ تھا، لیکن بغیر قصد کے بہت زیادہ غلطیاں اس سے سرزد ہوتی تھیں، یہاں تک کہ وہ انجانے میں مرسل روایات کو مرفوع بیان کرنے لگا۔ وہ اکثر اپنے حافظے سے بیان کرتا تھا، لہٰذا اس کے حافظے کی خرابی کی وجہ سے منکر روایات اس کی حدیث میں داخل ہوگئیں۔'' (المجروحین لابن حبان : ۲۹۵/۲۔۲۹٦)

⑩ امام البزار رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **واحتملوا حديثه ، وإن كان غير حافظ .** ''محدثین نے اس کی حدیثیں لی ہیں، اگرچہ یہ حافظے والا نہیں تھا۔''

(مسند البزار : ۱۷۹٦)

⑪ امام ابن ابی حاتم الرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **محلّہ الصدق ، لم یکن بذاک المتین .** ''اس کا مقام سچ والا ہے۔زیادہ مضبوط راوی نہ تھا۔''

(الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم : ۷/۲۷٤)

⑫ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے اپنی کتاب الضعفاء (۴۸۲۔۴۸۳[۳۲۴]) میں ذکر کیا ہے۔

⑬ امام عقیلی رحمہ اللہ نے اسے اپنی کتاب الضعفاء الکبیر (۴/۴۷) میں ذکر کیا ہے۔

معدلین

① امام دارقطنی رحمہ اللہ نے ثقہ کہا ہے۔(سوالات الحاکم : ٤٦٨)

یہ قول امام دارقطنی کے اپنے ہی قول کے معارض ہے،لہٰذا ساقط ہے۔

امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ یہ ''ضعیف'' راوی ہے۔

(العلل : ٤/٤٠ بحوالۃ موسوعۃ اقوال الدارقطنی)

② امام ابوحاتم الرازی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: **سلام بن مسکین أحبّ إلیک أم أبو ھلال ؟ قال : أبو ھلال أشبہ بالمحدثین .**

''سلام بن مسکین آپ کو زیادہ اچھے لگتے ہیں یا ابو ہلال؟ فرمایا: ابو ہلال محدثین کے زیادہ قریب ہے۔''(الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم : ۷/۲۷٤)

یہ جمہور کی جرح کے معارض ومخالف قول ناقابل قبول ہے۔

③ امام ابوحاتم الرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **کان سلیمان بن حرب جیّد الرأی فی أبی ھلال الراسبیّ .** ''سلیمان بن حرب،ابو ہلال الراسبی کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے۔''(الجرح والتعدیل : ۷/۲۷٤، وسندہٗ صحیحٌ)

④ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **لیس بصاحب کتاب ،**

لیس به بأس . ''یہ صاحبِ کتاب نہ تھا۔اس میں کوئی حرج نہیں۔''

(الجرح والتعدیل : ۲۷٤/۷، وسندہٗ صحیحٌ)

یہ قول خود امام صاحب کے اپنے قول کے معارض ومخالف ہے، لہٰذا یہ نا قابلِ التفات ہے۔امام صاحب خودفرماتے ہیں: لم یکن له کتاب ، وهو ضعیف الحدیث . ''اس کے پاس کوئی کتاب نہ تھی۔اس کی حدیث ضعیف ہے۔''

(تاریخ ابن ابی خیثمة : ۲۲۰۵)

⑤ امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے ثقہ کہا ہے۔(تہذیب الکمال : ۳۱۹/۱٦)

یہ قول مردود ہے، کیونکہ اس کے راوی ابوعبید الآجری کے حالات نہیں مل سکے۔

⑥ امام عبدالرحمٰن بن مہدی اس سے روایت لیتے تھے اور وہ غالبا ثقہ سے روایات بیان کرتے تھے۔

⑦،⑧،⑨ امام ابنِ خزیمہ (۲۰۴۴)، امام ابوعوانہ (۴۰۱۳)، امام حاکم (۳۳۳/۴) نے اس کی حدیث کی تصحیح کر کے اس کو ثقہ قرار دیا ہے۔

ثابت ہوا کہ ابو ہلال الراسبی البصری جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔خصوصاً جب یہ قتادہ سے بیان کرے تو ''ضعیف'' ہوتا ہے، لہٰذا حافظ علائی رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ جمہور نے اس کی توثیق کی ہے (فیض القدیر للمناوی:۳۸۱/٦) صحیح نہیں۔

باقی متاخرین ، مثلاً حافظ ذہبی رحمہ اللہ (العبر : ۷۷/۱)، حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ (التلخیص : ۸۵/۳)، حافظ ہیثمی رحمہ اللہ (مجمع الزوائد : ۱۹۷/۵)، بوصیری (مصباح الزجاجہ : ۱۵۱۸)، علامہ قرطبی (التذکرۃ:۳۸۳) وغیرہ کا اسے ثقہ قرار دینا متقدمین کے مقابلے میں قابلِ قبول نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس کی سند میں قتادہ بن دعامہ مدلس ہیں، لہٰذا روایت ''ضعیف'' ہے۔اصول یہ ہے کہ جب ثقہ مدلس بخاری ومسلم کے علاوہ بصیغۂ عن یا قال روایت بیان کرے تو وہ ''ضعیف'' ہوتی ہے۔

امام ابنِ عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قتـادة إذا لم يقل : سمعت و خولف فـي نـقـلـه ، و لا تقوم بـه حجّة . ''قتادہ جب سماع کی تصریح نہ کریں اور اپنی روایت میں ثقہ راویوں کی طرف سے مخالف کیے جائیں تو ان سے حجت نہیں لی جاسکتی۔''

(التمهيد لابن عبد البر : ۳/۳۰۷)

تیسری بات یہ ہے کہ قتادہ بن دعامہ کا حسنین کریمین سے سماع ثابت نہیں، لہٰذا یہ قول منقطع ہے اور منقطع روایت حجت نہیں ہوتی۔

دلیل نمبر ② : وقـال الهيثم بن عديّ : دسّ معاوية إلى ابـنـة سهيـل بن عمرة امرأة الحسن مأة ألف دينار على أن تسقيه شربة بعث بها إليهـا فـفـعلت . ''ہیثم بن عدی نے کہا ہے کہ معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی بیوی سہیل بنتِ عمرہ کو ایک ہزار دینا کے عوض سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو زہر پلانے پر اُکسایا۔ اس نے زہر اس کے پاس بھیجی تو اس نے ایسا کر دیا۔''

(انساب الاشراف لاحمد بن يحيى البلاذرى : ۳/۵۹)

تبصرہ : یہ روایت موضوع (جھوٹ کا پلندا) ہے۔ اس کا راوی ہیثم بن عدی بالاتفاق ''کذاب'' اور ''متروک الحدیث'' ہے۔ اس لیے شیعہ شنیعہ اس کی روایات کو سینے سے لگائے بیٹھے ہیں۔

دلیل نمبر ③ : قال الإمام ابن سعد : أنا محمّد بن عمر : نا عبـد اللّٰه بن جعفر عن عبد اللّٰه بن حسن قال : كان الحسن بن عليّ رجلا كثير نـكـاح الـنسـاء ، و كـنّ أقلّ ما يحظين عنده ، و كان قلّ امرأة يتزوّجها إلّا أحبّته وضنت به ، فيقال : إنّه كان سقى ، ثم أفلت ، ثم سقى فافلت ، ثمّ كانت الآخرة تـوفّى فيها ، فلمّا حضرته الوفاة ، قال الطبيب ، وهو يختلف إليه : هذا رجل قد

قطع السم أمعاءه ، فقال الحسين : يا أبا محمّد ! خبّرني من سقاك السمّ ، قال : ولم يا أخي ؟ قال : أقتله ، واللّٰه قبل أن أدفنك ، أو لا أقدر عليه ، أو يكون بأرض أتكلّف الشخوص إليه ، فقال : يا أخي ! إنّما هذه الدنيا ليال فانية دعه ، حتّى ألتقي أنا وهو عند اللّٰه ، فأبى أن يسمّيه ، وقد سمعت بعض من يقول : كان معاوية قد تلطّف لبعض خدمه أن يسقيه سمّا .

''عبداللہ بن حسن بیان کرتے ہیں کہ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ عورتوں سے بہت زیادہ نکاح کرتے تھے۔عورتیں ان کے پاس بہت کم عرصہ گزار پاتیں۔تقریباً سب عورتیں، جن سے آپ شادی کرتے، وہ آپ سے محبت کرتیں۔کہا جاتا ہے کہ ان کو زہر پلایا گیا، لیکن وہ جانبر ہو گئے۔ پھر زہر پلایا گیا، لیکن وہ پھر جانبر ہو گئے۔جب آخری دفعہ تھی تو وہ اس میں فوت ہو گئے۔جب ان کی وفات کا وقت حاضر ہوا تو طبیب نے ان کی طرف آتے ہوئے کہا: یہ ایسا آدمی ہے، جس کی انتڑیاں زہر نے کاٹ دی ہیں۔حسین رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابو محمد! مجھے بتایئے کہ آپ کو زہر کس نے پلائی ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیوں اے بھائی؟ حسین رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم میں اسے آپ کو دفن کرنے سے پہلے قتل کر دوں گا یا اس پر قادر نہ ہو سکوں گا یا وہ ایسی زمین میں ہوگا، جہاں میرا داخل ہونا مشکل ہوگا۔اس پر حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے میرے بھائی! یہ دنیا چند فانی راتوں پر مبنی ہے۔اس شخص کو چھوڑ، میں اسے اللہ کے ہاں مل لوں گا۔یہ کہہ کر انہوں نے اس کا نام بتانے سے انکار کر دیا۔میں نے بعض لوگوں سے سنا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے حسین رضی اللہ عنہ کے کسی خادم کو زہر پلانے پر ورغلایا تھا۔''(تاریخ ابن عساکر : ۲۸۲/۱۳۔۲۸۳)

تبصرہ : یہ روایت سخت ترین ''ضعیف'' ہے۔اس کا راوی محمد بن عمر الواقدی ''کذاب'' ہے۔

اس میں ایک اور علت بھی ہے۔

دلیل نمبر ④ : ابوبکر بن حفص بیان کرتے ہیں:

توفّی الحسن بن علیّ وسعد بن أبی وقّاص فی أیّام بعد ما مضی من إمارة معاویة عشر سنین ، وکانو یرون أنّه سقاهما سمّا . ''سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد کے دس سال گزرنے کے بعد فوت ہوئے۔لوگوں کا خیال تھا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو زہر پلایا تھا۔''

(مقال الطالبین لابی الفرج علی بن الحسین الاصبهانی : ص ۲۰)

تبصرہ : یہ روایت شیطان لعین نے گھڑی ہے، جو رافضیوں کے ہاتھ لگ گئی ہے۔انہوں نے اس کو اپنے مذہب وعقیدہ پر دلیل بنالیا ہے۔

① صاحبِ کتاب اموی شیعہ ہے۔اس کے بارے میں توثیق ثابت نہیں۔ اس کے شاگرد محمد بن ابی الفوارس کہتے ہیں:

وکان قبل أن یموت اختلط . ''یہ اپنی موت سے پہلے بدحواس ہوگیا تھا۔''

(تاریخ بغداد للخطیب : ۳۹۸/۱۱)

② اس کے راوی احمد بن عبیداللہ بن عمار کے بارے میں امام خطیب بغدادی فرماتے ہیں:

وکان یتشیّع . ''یہ شیعہ مذہب سے تعلق رکھتا تھا۔'' (تاریخ بغداد : ۲۵۲/٤)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **مــن رؤوس الشیــعة .** ''یہ شیعہ کے سرداروں میں سے تھا۔'' (میزان الاعتدال للذهبی : ۱۱۸/۱)

اس کے بارے میں ادنیٰ کلمۂ توثیق بھی ثابت نہیں۔

③ اس کا مرکزی راوی عیسیٰ بن مہران ہے ۔ اس کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **رافضیّ ، کذّاب .** ''یہ رافضی اور بہت بڑا جھوٹا

تھا۔'' (میزان الاعتدال للذهبی : ۳/۳۲٤)

امام ابوحاتم الرازی فرماتے ہیں کہ یہ کذاب آدمی تھا۔ (الجرح والتعدیل : ٦/۲۹۰)

امام ابنِ عدی فرماتے ہیں: **حدّث بأحادیث موضوعة مناکیر ، محترق فی الرفض .** ''اس نے بہت سی من گھڑت اور منکر روایات بیان کی ہیں۔ یہ کٹر قسم کا رافضی تھا۔'' (الکامل لابن عدی : ٥/۲٦۰)

نیز فرماتے ہیں: **والضعف بیّن علی حدیثه .** ''اس کی حدیث پر ضعف واضح ہے۔'' (الکامل لابن عدی : ٥/۲٦١)

امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **رجل سوء ، ومذهب سوء .**
''آدمی بھی بُرا تھا اور اس کا مذہب بھی بُرا تھا۔'' (الضعفاء والمتروکون للدارقطنی : ٤١٨)

امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **کان عیسیٰ بن مهران من شیاطین الرافضة ومردتهم ، ووقع إلیّ کتاب من تصنیفه فی الطعن علی الصحابة وتضلیلهم وإکفارهم وتفسیقهم ، فواللّٰه لقد قف شعری عند نظری فیه ، وعظم تعجّبی ممّا أودع ذلک الکتاب من الأحادیث الموضوعة ...**

''عیسیٰ بن مہران شیاطین اور لعین قسم کے رافضیوں میں سے تھا۔ مجھے اس کی تصنیفات میں سے ایک کتاب ملی، جو کہ صحابہ کرام پر طعن، ان کو گمراہ قرار دینے، ان کو فاسق کہنے اور ان کی تکفیر پر مبنی تھی۔ اللہ کی قسم! اس کتاب کو دیکھتے ہوئے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور اس کتاب میں اس نے جو من گھڑت احادیث ذکر کی تھیں، ان سے میں بڑا متعجب ہوا۔۔۔''

(تاریخ بغداد للخطیب : ١١/١٦٧)

تنبیه : لسان المیزان (۴/۴۰۷) میں اس کے حالات لکھتے ہوئے کسی ناسخ نے غلطی سے **ولحقه ابن جریر** (ابنِ جریر اس کو ملے تھے) کی بجائے **وثّقه ابن**

جریر (ابنِ جریر نے اسے ثقہ قرار دیا ہے) لکھ دیا ہے۔

اس کذاب کی روایت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف پیش کرنا انصاف کا خون کرنے کے مترادف ہے۔ حیرانی کی بات ہے کہ یہ لوگ یومِ حساب سے غافل ہیں۔ کیا یہ خیال کرتے ہیں کہ صحابہ کرام کے خلاف ان کے ہاتھوں کی لکھی ہوئی تحریروں اور زبان سے نکلی ہوئی باتوں کے بارے میں کوئی پوچھ گچھ نہ ہوگی؟

دلیل نمبر ⑤ : عمیر بن اسحاق بیان کرتے ہیں:

كنت مع الحسن والحسين في الدار ، فدخل الحسن المخرج ، ثمّ خرج ، فقال : لقد سقيت السمّ .... ''میں حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کے ساتھ گھر میں تھا۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ دروازے میں داخل ہوئے، پھر باہر آئے اور فرمایا: میں نے زہر پیا ہے۔۔۔''

(مقال الطالبين لابی الفرج الاصبهانی الشيعی الاموی : ص ٢٠)

اس من گھڑت روایت کا معنیٰ ومفہوم وہی ہے اور اس میں علتیں بھی بعینہٖ وہی ہیں، جو اس سے پہلے والی روایت میں ہیں۔

دلیل نمبر ⑥ : ابنِ جعدۃ کہتے ہیں:

كانت جعدة بنت الأشعث بن قيس تحت الحسن بن عليّ ، فدسّ إليها يزيد أن سمي حسنا ، إنّي مزوّجك ، ففعلت ، فلمّا مات الحسن بعثت إليه الجعدة ، تسأل يزيد الوفاء بما وعدها ، فقال : إنّا والله لم نرضك للحسن ، فنرضاك لأنفسنا . ''جعدہ بنت الاشعث بن قیس سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھی۔ یزید نے اسے بہلایا کہ تُو حسن کو زہر دے دے تو میں تجھ سے نکاح کرلوں گا۔ اس نے ایسا کر دیا۔ جب حسن رضی اللہ عنہ فوت ہوگئے تو جعدہ نے یزید سے اپنے وعدے کو وفا کرنے کا مطالبہ کیا۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم! ہم نے تجھے حسن کے لیے پسند نہیں کیا تھا، اپنے لیے کیسے کریں۔''

(تاریخ ابن عساکر : ۱۳/۲۸٤، المنتظم لابن الجوزی : ٥/٢٢٦)

تبصرہ : یہ جھوٹا قصہ ہے۔

① اس کا گھڑنے والا یزید بن عیاض بن جعدۃ اللیثی ہے۔امام یحیٰی بن معین، امام علی بن المدینی، امام بخاری، امام مسلم، امام نسائی، امام ابنِ عدی، امام ابوزرعہ الرازی، امام ابوحاتم الرازی، امام ساجی، امام جوزجانی، امام عمرو بن علی الفلاس وغیرہم رحمہم اللہ نے اسے ''ضعیف، منکرالحدیث'' اور ''متروک الحدیث'' کے الفاظ کے ساتھ مجروح کیا ہے۔اس کے بارے میں ادنیٰ کلمہء توثیق بھی ثابت نہیں ہے۔

② اس کے دوسرا راوی محمد بن خلف بن المرزبان الآجری کے بارے میں متقدمین ائمہ محدثین میں سے کسی نے توثیق کا کوئی کلمہ استعمال نہیں کیا، بلکہ امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هو أخباريّ ، ليّن . ''یہ تاریخ دان تھا اور کمزور راوی تھا۔'' (سوالات السهمی : ١٠٤)

لہٰذا حافظ ذہبی رحمہ اللہ (سیر اعلام النبلاء: ۱۴/۲۶۴) کا اسے صدوق قرار دینا صحیح نہیں۔

دلیل نمبر ⑦ : **عن أمّ موسى أنّ جعدة بنت الأشعث ابن قيس سقت الحسن السمّ ، فاشتكى منه شكاة ، قال : فكان يوضع تحته طست وترفع أخرى نحوا من أربعين يوما .**

''ام موسیٰ بیان کرتی ہیں کہ جعدۃ بنت الاشعث بن قیس نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو زہر پلایا۔ اس سے آپ بیمار ہو گئے۔آپ کے نیچے ایک برتن رکھا جاتا اور دوسرا اُٹھایا جاتا۔تقریباً چالیس دن تک یہ معاملہ رہا۔'' (تاریخ ابن عساکر : ۱۳/۲۸٤)

تبصرہ : اس کی سند ''ضعیف'' ہے۔یعقوب نامی راوی کا تعین درکار ہے، نیز ام موسیٰ سے اس کا سماع مطلوب ہے۔

وہ روایات جن میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ یا یزید کے بارے میں ہے کہ انہوں نے سیدنا حسن

ابن علی رضی اللہ عنہما کو زہر دیا تھا، ان کا جھوٹا ہونا واضح ہو گیا ہے۔ ان سندوں کے علاوہ اگر کسی کے پاس کوئی سند ہے تو وہ ہمیں پیش کرے۔ ہم اس کا تجزیہ کریں گے۔

سند دین ہے۔ بے سند اور ''ضعیف'' روایات پیش کرنا اور ان پر اپنے عقیدہ وعمل کی بنیاد ڈالنا اہل حق کا وطیرہ نہیں۔ نیز ''ضعیف'' اور بے سروپا روایات صحابہ کرام کے خلاف پیش کرنا صحیح نہیں، کیونکہ یہ بدگمانی کے زمرہ میں آئے گا۔ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ جھوٹی روایات رافضی شیعوں کے عقیدہ کے منافی بھی ہیں، کیونکہ شیعہ مذہب کی معتبر کتابوں میں لکھا ہے:

إنّ الأئمّة يعلمون متى يموتون ، وإنّهم لا يموتون إلّا باختيارهم .

''ائمہ جانتے ہوتے ہیں کہ کب مریں گے اور وہ اپنے اختیار ہی سے مرتے ہیں۔''

(اصول الكافي الكليني : ٢٥٨/١، الفصول المهمة للجرالعاملي : ص ١٥٥)

ملا باقر مجلسی صاحب لکھتے ہیں:

لم يكن إمام إلّا مات مقتولا أو مسموما .

''کوئی امام نہیں، مگر وہ قتل یا زہر کے ذریعے مرا ہے۔''

(بحار الانوار للمجلسی : ٣٦٤/٤٣)

جب ان کا عقیدہ ہے کہ ائمہ عالم الغیب ہوتے ہیں تو سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو علم کیوں نہ ہوسکا کہ اس کھانے میں زہر ہے؟

الحاصل : یہ کہنا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو زہر دیا ہے، بہت بڑا جھوٹ اور اتہام ہے، کیونکہ اس سلسلہ میں جمیع روایات من گھڑت اور خودساختہ ہیں۔

واللّٰہ أعلم ، وعلمه أحكم !

جبری طلاق واقع نہیں ہوتی

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

جبری طلاق واقع نہیں ہوتی ۔ اس پر قرآن وحدیث کی دلائل شاہد ہیں، نیز ائمہ محدثین کرام ﷭ کی تصریحات بھی موجود ہیں:

دلیل نمبر ① : اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ ﴾(النحل : ١٠٦)

''جو شخص اپنے ایمان لانے کے بعد اللہ کے ساتھ کفر کرے (اس پر اللہ کا غضب ہے)، سوائے اس شخص کے جسے مجبور کر دیا جائے، حالانکہ اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔''

جس کے دل میں ایمان پختہ ہو، اس کو کفر پر مجبور کیا جائے تو وہ کافر نہیں ہوتا، اسی طرح طلاق کا ارادہ نہ ہو تو جبری طلاق بالاولیٰ واقع نہیں ہوگی۔

امام عطاء بن ابی رباح ﷫ فرماتے ہیں: **الشرک أعظم من الطلاق .**

''شرک طلاق سے بڑا معاملہ ہے۔''(سنن سعید بن منصور : ١١٤٢، وسندهٔ صحیحٌ)

حافظ ابنِ حجر ﷫ نے اس کی سند کو ''صحیح'' قرار دیا ہے۔(فتح الباری : ٩/٣٩٠)

امام شافعی ﷫ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فلمّا وضع اللّٰه عنه سقطت أحكام الإكراه عن القول كلّه ، لأنّ الأعظم إذا سقط عن الناس سقط ما هو أصغر منه .

''جب اللہ تعالیٰ نے انسان سے (مجبوری کی صورت میں) کفر معاف کر دیا ہے تو مجبوری کی صورت میں کہے گئے تمام دیگر اقوال بھی معاف ہیں، کیونکہ جب لوگوں کو بڑی چیز معاف کر دی جائے تو چھوٹی چیز خود بخود معاف ہو جاتی ہے۔''(السنن الکبرٰی للبیهقی : ٢/١٢٢)

علامہ ابنِ رجب ﷫ کہتے ہیں: **فأمّا الخطأ والنسيان ، فقد صرّح القرآن بالتجاوز عنهما ... وأمّا الإكراه فصرّح القرآن أيضا بالتجاوز عنه .**

''خطا اور نسیان سے تجاوز کے بارے میں قرآنِ کریم نے صراحت کر دی ہے، اسی طرح مجبوری کی صورت میں کیے گئے کام سے معافی کے بارے میں قرآنِ کریم نے صراحت کی ہے۔''

(جامع العلوم والحکم لابن رجب : ص ٤٥٢۔٤٥٣)

دلیل نمبر ② : سیدنا ابنِ عباس ﷠ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

إنّ اللّٰه وضع عن أمّتی الخطأ والنسیان وما استکرهوا علیه . ''اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا، نسیان اور اس چیز کو معاف کر دیا ہے، جس پر انہیں مجبور کر دیا جائے۔'' (شرح معانی الآثار للطحاوی : ۹۵/۳، الإقناع لابن المنذر : ۱۹٦، المعجم الصغیر للطبرانی : ۷٦۵، سنن الدارقطنی : ۱۷۰/٤۔۱۷۱، السنن الکبرٰی للبیهقی : ۳۵٦/۷، ٦۰/۱۰۔٦۱، وسندهٗ صحیحٌ)

اس حدیث کو امام ابنِ حبان (۷۲۱۹) نے ''صحیح'' کہا ہے اور امام حاکم (۱۹۸/۲) نے اسے بخاری ومسلم کی شرط پر ''صحیح'' قرار دیا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

حافظ عبدالحق الاشبیلی نے اس کی سند کو ''صحیح'' کہا ہے۔ (تفسیر القرطبی : ۱۸۲/۱۰)

امام بیہقی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: جوّد إسنادهٗ بشر بن بکر ، وهو من الثقات .

''اس کی سند کو بشر بن بکر نے عمدہ بیان کیا ہے اور وہ ثقہ راویوں میں سے ہیں۔''

حافظ نووی رحمہ اللہ نے اسے ''حسن'' کہا ہے۔ (روضة الطالبین : ۱۹۳/۸)

نیز حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے بھی اسے ''حسن'' کہا ہے۔ (موافقة الخبر الخبر : ۵۱۰/۱)

فائدہ : امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: إنّ اللّٰه تجاوز لهذه الأمّة عن النسیان ، والخطأ ، وما أکرهوا علیه . ''اللہ تعالیٰ نے اس امت کو نسیان، خطا اور مجبوری معاف کر دی ہے۔'' (سنن سعید بن منصور : ۱۱٤٤، وسندهٗ صحیحٌ)

دلیل نمبر ③ : سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما خود فرماتے ہیں:

لیس لمکره ، ولا لمضطهد طلاق . ''مجبور ومقہور کی کوئی طلاق نہیں۔''

(سنن سعید بن منصور : ۱۱٤۳، وسندهٗ حسنٌ)

اس کے راوی عبیداللہ بن طلحہ الخزاعی کو امام عجلی رحمہ اللہ (الثقات : ۱۰۵٦) اور امام ابنِ حبان رحمہ اللہ (الثقات : ۱۳۷/۷) نے ''ثقہ'' کہا ہے۔

اس کے دوسرے راوی ابویزید المدنی کو امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے ''ثقہ'' قرار دیا ہے۔

(الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم : ٤۵۹/۹، وسندهٗ صحیحٌ)

امام ابوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یکتب حدیثه . ''اس کی حدیث لکھی جائے گی۔'' (الجرح والتعدیل : ٤۵۹/۹)

دلیل نمبر ④ و⑤ : ثابت بن الاحنف سے روایت ہے:

أنّه تزوّج أمّ ولد لعبد الرحمن بن زید بن الخطّاب ، قال : فدعانی عبد اللّٰه بن عبد الرحمن بن زید بن الخطّاب ، فجئته ، فدخلت علیه ، فإذا سیاط موضوعة ، وإذا قیدان من حدید ، وعبدان له قد أجلسهما ، فقال : طلقها وإلّا والذی یحلف به فعلت بک کذا وکذا

، قال : فقلت : هی الطلاق ألفا ، قال : فخرجت من عنده ، فأدركت عبد اللّٰه بن عمر بطريق مكّة ، فأخبرته بالذی كان من شأنی ، فتغيّظ عبد اللّٰه وقال : ليس ذلک بطلاق ، وإنّها لم تحرّم عليک ، فارجع إلی أهلک ، قال : فلم تقرّرنی نفسی حتّی أتيت عبد اللّٰه بن الزبير ، وهو يومئذ بمكّة أمير عليها ، فأخبرته بالذی كان من شأنی ، وبالذی قال لی عبد اللّٰه بن عمر ، قال : فقال لی عبد اللّٰه بن الزبير : لم تحرّم عليک ، فارجع إلی أهلک .

''میں نے عبدالرحمٰن بن زید بن الخطاب کی ام ولد لونڈی سے نکاح کیا۔ میں اس کے پاس آیا اور اس پر داخل ہوا تو کوڑے لٹکے ہوئے تھے۔ لوہے کی دو بیڑیاں تھیں اور دو غلام بٹھائے ہوئے تھے۔ اس نے مجھے کہا: اپنی بیوی کو طلاق دے دے ورنہ اللہ کی قسم تجھے ایسا ایسا کر دوں گا۔ میں نے کہا: اسے ایک ہزار طلاق۔ میں اس کے پاس سے نکلا تو مکہ کے راستے میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہوئی۔ میں نے ان کو اپنا سارا واقعہ سنایا تو وہ غصے ہوگئے اور فرمایا: یہ کوئی طلاق نہیں۔ وہ عورت تجھ پر حرام نہیں ہوئی۔ تو اپنی بیوی کی طرف لوٹ جا۔ مجھے اطمینان نہ ہوا یہاں تک کہ میں سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے پاس آ گیا اور ان سے اپنا واقعہ اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی بات کا ذکر کیا۔ انہوں نے بھی کہا کہ تیری بیوی تجھ پر حرام نہیں ہوئی۔ تو اپنی بیوی کی طرف لوٹ جا۔'' (الموطا للامام مالك : ٣٧٦، ح : ١٢٤٥، وسندهٗ صحيحٌ)

ثابت ہوا کہ دو جلیل القدر صحابہ سیدنا عبداللہ بن عمر اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کے نزدیک جبری طلاق واقع نہیں ہوتی۔

دلیل نمبر ⑥ :

ابوالزناد کہتے ہیں: حضرت عمر بن عبد العزيز أتی برجل كان يكون فی بنی حطمة يقال له : القمری ، ضربه قومه علی أن يطلّق امرأته ، وقالوا : لا ندعک واللّٰه حتّی نقتلک ، أو تطلّقها البتّة ، وجاء علی ذلک بالبيّنة ، فردّها عليه . ''میں امام عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے پاس حاضر ہوا۔ ان کے پاس ایک آدمی لایا گیا، جو بنو حطمہ میں سے تھا، اسے قمری کہا جاتا تھا۔ اس کی قوم نے اسے مارا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے۔ انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہم تجھے نہیں چھوڑیں گے حتیٰ کہ تو عورت پر تین طلاقِ بتہ دے یا ہم تجھے قتل کر دیں گے۔ وہ آدمی اس واقعہ پر دلیل بھی لایا تو امام عمر ابن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اس کی بیوی کو اس پر لوٹا دیا۔'' (سنن سعيد بن منصور : ١١٣٢، وسندهٗ حسنٌ)

دلیل نمبر ⑦ : مفتیٔ مکہ امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کے بارے میں ہے کہ :

انّه كان لا يری طلاق المكره شيئا .

''وہ مجبور شخص کی طلاق کو کچھ بھی خیال نہیں کرتے تھے۔''

(سنن سعيد بن منصور : ١١٤١، وسندهٗ صحيحٌ)

نیز فرماتے ہیں: لیس بشیء . ''ایسی طلاق کچھ بھی نہیں۔''

(مصنف ابن ابی شیبة : ٥/٤٨، وسندهٗ صحیحٌ)

دلیل نمبر ⑧،⑨ : امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ایسے انسان کے بارے میں فرماتے ہیں، جسے طلاق پر مجبور کیا گیا ہو:

أرجو أن لا يكون عليه شيء . ''امید ہے کہ اس پر کچھ نہیں ہوگا۔''

نیز فرماتے ہیں: وحدّ المکرَہ: إذا کان یخاف القتل ، أوضربا شدیدا، قال إسحاق: ہوکما قال بلا شکّ ۔ ''مجبور کی تعریف یہ ہے کہ اسے قتل کا ڈر ہو یا سخت مار کا ڈر ہو۔ امام اسحٰق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ نے جس طرح فرمایا ہے، بلا شک وشبہ بات اسی طرح ہے۔''(مسائل الامام احمد واسحاق بروایة اسحاق بن منصور الکوسج : ٩٥٨)

دلیل نمبر ⑩ : امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک جبری طلاق واقع نہیں ہوتی، جیسا کہ بات گزر چکی ہے۔

تلک عشرة کاملة . یہ پورے دس دلائل ہیں۔

شاہ ولی اللہ الدہلوی رحمہ اللہ جبری طلاق کے مفاسد ان الفاظ میں ذکر کرتے ہیں:

ثانيهما : أنّه لو اعتبر طلاقه ــ أى المكره ــ طلاقا لكان ذلک فتحا لباب الإكراه ، فعسى أن يختطف الجبّار الضعيف من حيث لا يعلم الناس ، ويخيفه بالسيف ، ويكرهه على الطلاق إذا رغب فى امرأته ، فلو خيّبنا رجاء ه وقلبنا عليه مراده كان ذلک سببا لترک مظالم الناس فيما بينهم بالإكراه ...

''دوسری بات یہ ہے کہ اگر مجبور شخص کی طلاق کو معتبر سمجھ لیا جائے تو اس طرح مجبور کرنے کا دروازہ کھل جائے گا۔ قریب ہے کہ طاقتور شخص کمزور کو اس طرح سے قابو کرلے کہ لوگوں کو معلوم نہ ہو اور وہ اسے اسلحہ کے زور پر دھمکا لے اور اس کی بیوی میں رغبت ہو تو اسے طلاق پر مجبور کرلے۔ اگر ہم اس کی ارادے کو ناکام بنا دیں اور اس کی مراد کو واپس کردیں تو یہ چیز لوگوں کے آپس میں مجبور کر کے کیے گئے ظلم کو روکنے کا سبب ہوگی۔۔۔''(حجة الله البالغة : ٢/١٣٨)

علامہ ابنِ تیمیہ(مجموع الفتاوی : ۳۳/۱۱۰)، علامہ ابن القیم (زاد المعاد : ۵/۲۰۴، اعلام الموقعین : ۳/۱۰۸، تہذیب السنن : ٦/١٨٧)وغیرہما کے نزدیک بھی جبری طلاق واقع نہیں ہوتی۔ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **وذهب الجمهور إلى عدم اعتبار ما يقع فيه .** ''جمہور اس طرف گئے ہیں کہ مجبوری میں جو چیز واقع ہوتی ہے، اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔''

(فتح الباری لابن حجر : ٩/٣٩٠)

امام بخاری رحمہ اللہ (صحیح البخاری مع فتح الباری: ۹/۳۸۸) اور علامہ ابن حزم رحمہ اللہ (المحلی: ۱۰/۲۰۲، ۲۰۳) کا یہی موقف ہے کہ جس آدمی کو طلاق پر مجبور کیا جائے، اس کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''اس بنا پر مجبور شخص کی ہر کلام لغو ہے۔ اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ قرآنِ کریم نے بتایا ہے کہ کوئی شخص اگر مجبور ہو کر کلمۂ کفر کہہ دے تو وہ کافر نہیں ہوگا اور جسے اسلام پر مجبور کیا جائے، وہ مسلمان نہیں ہوگا۔ سنت نے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجبور شخص کو معاف کر دیا ہے، وہ اس سے مؤاخذہ نہیں کرے گا۔۔۔ رہے مجبور شخص کے افعال تو ان میں تفصیل ہے: جو افعال مجبوری کے ساتھ مباح ہیں، ان پر معافی ہے، جیسا کہ رمضان کے دن میں کھانا، نماز میں حرکت اور احرام کی حالت میں سلا ہوا کپڑا پہننا وغیرہ۔ اور جو چیزیں مجبوری کی وجہ سے مباح نہیں، ان پر مؤاخذہ ہوگا، جیسا کہ بے گناہ کو قتل کرنا، اس کا مال تلف کرنا۔۔۔ اقوال اور افعال میں فرق یہ ہے کہ افعال جب واقع ہو جائیں تو ان کی خرابی ختم نہیں ہو سکتی، بلکہ ان کی خرابی ان کے ساتھ ہی رہتی ہے، برعکس اقوال کے کہ ان کو لغو کرنا اور سونے والے اور مجنون کی طرح شمار کرنا ممکن ہے۔ جو فعل مجبوری کے ساتھ مباح نہیں، اس کی خرابی ثابت ہوتی ہے، برعکس قول کی خرابی کے کہ وہ اسی وقت ثابت ہوتی ہے، جب کہنے والا اس کو جانتا ہو اور مجبور نہ ہو۔'' (زاد المعاد لابن القیم: ۵/۲۰۵۔۲۰۶)

علامہ ابنِ حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **وهـذا تلاعب بالدين، ونعوذ بالله من ذلك.**

''یہ (مجبور کی طلاق کو شمار کرنا) دین کے ساتھ مذاق ہے۔ ہم ایسے کاموں سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔'' (المحلی لابن حزم: ۱۰/۲۰۵)

احناف کے نزدیک جبری طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ ان کے دلائل کا علمی و تحقیقی مختصر جائزہ پیشِ خدمت ہے:

دلیل نمبر ①: ایک صحابی سے روایت ہے:

أنّ رجلا كان نائما مع امرأته، فقامت، فأخذت سكّينا، وجلست على صدره، ووضعت السكّين على حلقه، فقالت له: طلّقني، أو لأذبحنّك، فناشدها الله، فأبت، فطلّقها، فذكر ذلك لنبيّ صلّى الله عليه وسلّم، فقال النبيّ عليه السلام: فلا قيلولة في الطلاق.

''ایک آدمی اپنی بیوی کے ساتھ سویا ہوا تھا کہ اس کی بیوی اُٹھی اور ایک چھری پکڑی۔ اس کے سینے پر بیٹھ کر چھری اس کے حلق پر رکھ دی اور کہنے لگی: مجھے طلاق دے، ورنہ تجھے ذبح کر دوں گی۔ اس نے اسے اللہ کا واسطہ دیا، لیکن وہ نہ مانی۔ اس نے اسے تین طلاقیں دے دیں۔ پھر اس نے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: طلاق میں کوئی واپسی نہیں۔''

(الضعفاء الکبیر للعقیلی: ۲/۲۱۱، العلل المتناہیۃ لابن الجوزی: ۲/۶۴۷، ح: ۱۰۷٤)

تبصرہ: اس کی سند ''ضعیف'' ہے۔اس کے راوی صفوان بن عمران الطائی کے بارے میں امام ابوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **یکتب حدیثه ، ولیس القویّ .**
''اس کی حدیث (متابعات میں) لکھی جائے گی، لیکن یہ قوی نہیں۔''

(الجرح والتعدیل : ٤/٤٢٢)

اس کے دوسرے راوی الغاز بن جبلہ کے بارے میں امام ابوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
وھو منکر الحدیث . ''یہ منکر الحدیث راوی ہے۔''

(الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم : ٤/٤٢٢)

اس کے تیسرے راوی بقیہ بن الولید (ثقہ عند الجمہور) مدلس ہیں اور عن سے روایت کر رہے ہیں، لہٰذا سند ''ضعیف'' ہے۔

اس حدیث کے بارے میں امام ابوزرعہ الرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
ھذا حدیث واہٍ جدّا . ''یہ حدیث سخت ضعیف ہے۔''

(العلل لابن ابی حاتم : ١٣١٢)

امام ابنِ ابی حاتم الرازی رحمہ اللہ نے اسے ''منکر'' قرار دیا ہے۔(الجرح والتعدیل : ٤/٤٢٢)

علامہ ابنِ حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **ھذا خبر فی غایة السقوط .**
''یہ حدیث حد درجہ ضعیف ہے۔''(المحلی لابن حزم : ١٠/٢٠٤)

حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **ھذا حدیث لا یصحّ .**
''یہ حدیث ثابت نہیں۔''(العلل المتناھیة : ٢/٦٤٧)

حافظ ابن الملقن رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **فضعیف .** (البدر المنیر : ٨/١١٨)

اس روایت کو صفوان بن عمران نے ''مرسل'' بھی بیان کیا ہے۔

دلیل نمبر ②: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
ثلاث جدّھنّ جدّ وھزلھنّ جدّ : النکاح والطلاق والرجعة . ''تین کاموں کی سنجیدگی بھی سنجیدگی ہے اور ان کا مذاق بھی سنجیدگی ہے: نکاح، طلاق اور رجوع۔''(سنن ابی داوٗد : ٢١٩٤، سنن الترمذی : ١١٨٤، وقال : حسن ، سنن ابن ماجه : ٢٠٣٩، المستدرك للحاکم : ٢/١٩٨، وقال : صحیح الاسناد ، وسندہٗ حسنٌ)

جو مذاق میں طلاق دیتا ہے، اس کی نیت میں طلاق نہیں ہوتی۔صرف لفظ ادا کرتا ہے۔فقط لفظ ادا کرنے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے، لہٰذا جبری طلاق کو اس پر قیاس کریں گے، کیونکہ ان دونوں کا طلاق کا ارادہ نہیں ہوتا۔فقط لفظ ادا کرتے ہیں۔

تبصرہ : یہ قیاس فاسد ہے، جیسا کہ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وقیاسهم المكره على الهازل ، فهو قياس فاسد ، لأنّ المكره غير قاصد للقول ولا لموجبه ، وأمّا الهازل فإنّه تكلّم باللفظ اختيارا وقصد به غير موجبه ، وهذا ليس إليه ، بل إلى الشارع ، فإنّ من باشر سبب ذلك باختياره لزمه مسبّبه ومقتضاه ، وإن لم يرده ، وأمّا المكره فإنّه لم يرد هذا ، ولا هذا ، فقياسه على الهازل غير صحيح . ''ان لوگوں کا مجبور کو مذاق کرنے والے پر قیاس کرنا قیاسِ فاسد ہے، کیونکہ مجبور آدمی کا قصد نہ بات کا ہوتا ہے، نہ اس کے نتیجے کا۔ جبکہ مذاق کرنے والا لفظ کا تکلم اپنے اختیار سے کرتا ہے، لیکن اس کا نتیجہ کچھ اور مراد لیتا ہے۔ حالانکہ یہ کام (نتیجے کا وقوع) اس کے اختیار میں نہیں، بلکہ شارع کے اختیار میں ہے۔ جو شخص طلاق کے سبب کو اختیار کرے گا، اس کا نتیجہ اس کو لازم ہو جائے گا، اگرچہ وہ اس کا قصد نہ بھی کرے۔ رہا مجبور تو اس نے کسی بھی چیز کا قصد نہیں کیا ہوتا، لہٰذا اس کو مذاق کرنے والے پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔''

(تهذيب السنن لابن القيم : ١٨٨/٦، نیز دیکھیں اعلام الموقعين : ١٠٨/٣، زاد المعاد : ٢٠٤/٥، اغاثة اللهفان فی حکم طلاق الغضبان : ص ٥٠-٦١)

مشہور مفسر علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **وهذا قياس باطل ، فإنّ الهازل قاصد إلى إيقاع الطلاق راض به ، والمكره غير راض ، ولا نيّه له فى الطلاق ، وقد قال عليه السلام : ((إنّما الأعمال بالنيّات)) .**

''یہ قیاس باطل ہے، کیونکہ مذاق کرنے والا طلاق واقع کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور اس پر راضی ہوتا ہے، جبکہ مجبور شخص راضی نہیں ہوتا، نہ ہی اس کی طلاق کے بارے میں کوئی نیت ہوتی ہے۔ فرمانِ نبوی ہے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہوتا ہے۔'' (تفسير القرطبى : ١٨٤/١٠)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: **أربع مبهمات معقولات ليس فيهنّ ردّ : النكاح ، والطلاق ، والعتاق ، والصدقه .** ''چار چیزیں مبہم اور معقول ہوتی ہیں، ان میں واپسی نہیں ہوتی: نکاح، طلاق، عتاق (غلام کی آزادی) اور صدقہ۔''

(فتح القدير لابن الهمام الحنفى : ٣٤٤/٣)

یہ گھڑنتل ہے۔ دنیا جہاں کی کسی کتاب میں اس کی سند کا ذکر نہیں ملتا۔

دلیل نمبر ④ : جب سیدنا حذیفہ اور ان کے باپ سے مشرکینِ مکہ نے حلف لیا تو نبیِ اکرم ﷺ نے فرمایا: **نفى لهم بعهدهم ، ونستعين الله عليهم .**

''ہم ان سے کیا ہوا وعدہ پورا کریں گے اور ان کے خلاف اللہ سے مدد مانگیں گے۔''

(مسند الامام احمد : ٣٩٥/٥، صحيح مسلم : ١٠٦/٢، ح : ١٧٨٧)

جبری طلاق کو عہد پر قیاس کریں گے۔ جب عہد میں فقط لفظ کا اعتبار ہوتا ہے تو طلاقِ جبری میں بھی فقط لفظ کا اعتبار کیا جائے گا۔

تبصرہ : یہ قیاسِ فاسد ہے، ورنہ سوتے ہوئے انسان یا بھول کر طلاق دینے والے اور مجنون کی طلاق بھی واقع ہو جانی چاہیے۔

دلیل نمبر ⑤ : عمر بن شراحیل المعافری کہتے ہیں:

كانت امرأة مبغضة لزوجها ، فأرادته على الطلاق ، فأبى ، فجاء ت ذات ليلة ، فلمّا رأته نائما ، قامت وأخذت سيفه ، فوضعته على بطنه ، ثمّ حرّكته برجلها ، فقال : ويلك ما لك ؟ قالت : والله لتطلّقني وإلّا أنفذتك به ، فطلّقها ثلاثا ، فرفع ذلك إلى عمر بن الخطّاب رضى الله عنه ، فأرسل إليها فشتمها ، فقال : ما حملك على ما صنعت ؟ قالت بغضي إيّاه ، فامضى طلاقها . ''ایک عورت اپنے خاوند کو ناپسند کرتی تھی۔ اس نے اسے طلاق دینے پر آمادہ کیا، لیکن وہ نہ مانا۔ وہ ایک رات آئی۔ جب اس نے اسے سوئے ہوئے دیکھا تو کھڑی ہوئی اور اس کی تلوار پکڑ لی، اسے اس کے پیٹ پر رکھا، پھر اسے پاؤں سے ہلایا۔ اس نے کہا: تجھے کیا ہوا ہے؟ اس نے کہا: اللہ کی قسم! تو مجھے طلاق دے دے، ورنہ میں تجھے قتل کر دوں گی۔ اس نے اسے تین طلاقیں دیں۔ اس شخص نے یہ واقعہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو بتایا تو آپ نے اس عورت کو بلا بھیجا، پھر اسے برا بھلا کہا اور فرمایا: تجھے اس کام پر کس چیز نے آمادہ کیا ہے؟ وہ کہنے لگی: خاوند کو ناپسند کرنے نے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس کی طلاق کو نافذ کر دیا۔''(سنن سعيد بن منصور : ١١٢٩)

تبصرہ : اس کی سند سخت ''ضعیف'' ہے، کیونکہ:

① اس کا راوی الفرج بن فضالہ جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ ''ضعیف'' راوی ہے۔(تقريب التهذيب لابن حجر : ٥٣٨٣)

② راوی عمر بن شراحیل المعافری کی توثیق درکار ہے۔

③ عمر بن شراحیل کی سیدنا عمر سے روایت کو امام ابنِ ابی حاتم نے ''مرسل'' قرار دیا ہے۔(الجرح والتعديل لابن ابى حاتم : ١١٦/٦)

رہا ابوقلابہ رحمہ اللہ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۹/۵، وسندہٗ صحیح) اور امام شعبی رحمہ اللہ (مصنف ابنِ ابی شیبہ: ۴۹/۵، وسندہٗ صحیح) کا طلاقِ مکرہ کو جائز سمجھنا تو یہ قرآن وحدیث اور جمہور سلف کے فہم کے خلاف ہے۔